UGUR - 101 (N) URDU NAZM

اردو نظم

بلاک۔۳

اکائی ۷: نظیر اکبر آبادی۔۔۔۔۔آدمی نامہ

اکائی ۷: خواجہ الطاف حسین حالی۔۔۔۔۔انتخاب مسدس

اکائی ۷: اکبر الہ آبادی۔۔۔۔۔مستقبل

بلاک: 4

اکائی: 1۔ نظیر اکبر آبادی

ساخت

1.1 اغراض و مقاصد

1.2 تمہید

1.3 نظیر اکبر آبادی کا تعارف

1.3.1 حالات زندگی

1.3.2 شاعری کی خصوصیات

1.4 نظیر اکبر آبادی کی نظم 'آدمی نامہ'

1.4.1 متن

1.4.2 تشریح

1.4.3 تجزیہ

1.5 خلاصہ

1.6 نمونۂ امتحانی سوالات

1.7 فرہنگ

1.8 سفارش کردہ کتابیں

1.1: اغراض ومقاصد

اس اکائی میں نظیرا کبرآبادی کی زندگی کے حالات اوران کی شاعری خصوصاً نظم نگاری کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں اوران کی نظم ’ آدمی نامہ‘ کی تشریح اوراس کا تجزیہ بھی کیا گیا ہے۔

اس اکائی کے مطالعے کے بعد طلبا سے توقع کی جاتی ہے کہ:

☆ نظیرا کبرآبادی کی زندگی کے حالات اورشاعرانہ خصوصیات پر اظہار خیال کرسکیں۔

☆ نظیرا کبرآبادی کی نظم ’ آدمی نامہ‘ کی تشریح کرسکیں۔

☆ نظم ’ آدمی نامہ‘ کا تجزیہ اورخلاصہ بیان کرسکیں۔

1.2: تمہید

اردوشاعری کی تاریخ میں نظیرا کبرآبادی کوایک منفرد مقام حاصل ہے۔انھوں نے جس دور میں (اٹھارہویں صدی کے آخراورانیسویں صدی کی ابتدا) میں شاعری کا آغاز کیا،اس عہد میں غزل،قصیدہ،مثنوی اورمرثیہ لکھنے پرزیادہ زورتھااورنظم نگاری پر بہت کم توجہ دی جاتی تھی۔اس اعتبار سے نظیرا کبرآبادی اردو کے پہلے شاعر ہیں جنھوں نے مروّجہ روایات کے برعکس نظم نگاری کوغزل گوئی پر ترجیح دی اورنظموں کو ہی اپنے جذبات واحساسات کی ترجمانی کا ذریعہ بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ اردونظم نگاری میں نظیرا کبرآبادی کوسنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔انھوں نے زندگی کے گونا گوں مسائل مثلاً مذہب، عشق، موسم، تیوہار، کھیل کود، تفریحات، موت، زیست ، نیرنگی زمانہ، بچپن ، جوانی ، بڑھاپا، مفلسی، سماجی ناانصافی وغیرہ پرنظمیں لکھیں۔انھوں نے عام انسانی زندگی کے حالات ومسائل کواپنی نظموں میں پیش کیا اورایک عوامی شاعر کی حیثیت سے شہرت حاصل کی۔ان کی نظموں میں سماج اور معاشرے کے مختلف پہلوؤں کی بھرپور ترجمانی ملتی ہے۔صداقت، انسان دوستی اور مشترکہ تہذیب وتمدّن کے وہ امین ہیں۔نظیرا کبرآبادی کا تجربہ ومشاہدہ وسیع اور ہمہ گیر ہے۔

1.3: نظیر اکبرآبادی کا تعارف

1.3.1: حالات زندگی

نام ولی محمد اور نظیرؔ تخلص تھا۔ اردو شاعری میں نظیر اکبرآبادی کے نام سے مشہور ہوئے۔ نظیرؔ کی تاریخ پیدائش کے سلسلے میں اختلاف رائے ہے۔ تاہم عام طور پر یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ وہ 1740ء کے آس پاس دہلی میں پیدا ہوئے اور 1830ء میں ان کی وفات آگرہ میں ہوئی۔ انھوں نے کم و بیش 90 سال کی عمر پائی۔ نظیرؔ کے والد کا نام محمد فاروق تھا اور ان کی والدہ آگرے کے قلع دار نواب سلطان خاں کی لڑکی تھیں۔ وہ اپنے والدین کے اکلوتے لڑکے تھے لہٰذا انھیں بہت لاڈ پیار ملتا تھا۔ بچپن سے ہی نظیرؔ کو کھیل کود اور تفریحات سے خاص شغف تھا۔ وہ ایک بے فکر اور آزاد خیال انسان تھے۔ نظیرؔ نے جس عہد میں ہوش سنبھالا وہ ایک پر آشوب دور تھا۔ دلّی سیاسی انتشار کا شکار ہو کر چہار طرفہ حملے اور سازشوں سے تباہ و برباد ہو رہی تھی۔ پہلے نادر شاہ اور پھر احمد شاہ ابدالی کے دلّی پر حملے سے پریشان لوگ وہاں سے ہجرت کر کے دوسرے شہروں کی طرف کوچ کر رہے تھے۔ والد کے انتقال کے بعد نظیرؔ بھی احمد شاہ ابدالی کے حملے کے وقت اپنی ماں اور نانی کے ساتھ آگرہ (اکبرآباد) آ گئے اور ہمیشہ کے لیے یہیں سکونت اختیار کر لی۔ نظیرؔ کی شادی دہلی کے فوجی سالار محمد رحمان خاں کی لڑکی سے ہوئی۔ جن سے انھیں دو بچے (ایک لڑکا گلزار علی اور ایک لڑکی امامی بیگم) ہوئے۔

دلی پر ہونے والے پے در پے حملوں سے آگرہ بھی متاثر تھا اور یہاں بھی حالات ناسازگار تھے تاہم نظیرؔ نے سماجی، معاشی اور سیاسی حالات کی ستم ظریفی کے باوجود آگرے کو ہی اپنا وطن بنا لیا۔ اس شہر سے انھیں بے پناہ محبت اور الفت تھی۔ خود کہتے ہیں:

عاشق کہو، اسیر کہو آگرے کا ہے
ملا کہو، دبیر کہو آگرے کا ہے
مفلس کہو، فقیر کہو آگرے کا ہے
شاعر کہو، نظیرؔ کہو آگرے کا ہے

یہ وہی آگرہ شہر ہے جو کبھی مغل بادشاہ اکبر کا دارالخلافہ تھا اور آج بھی یہ شہر مغل بادشاہ شاہ جہاں کی بے مثال تعبیر ’’تاج محل‘‘ کے لیے مشہور ہے جہاں دنیا کے ہر خطے کے لوگ اس عظیم عمارت کا دیدار کرنے آتے ہیں۔

نظیر نے اردو کے علاوہ عربی اور فارسی کی بنیادی تعلیم حاصل کی تھی۔تلوار بازی، حکمت، فن خطاطی میں بھی ان کی دلچسپی تھی۔ وہ مزاجاً آزاد خیال انسان تھے۔ظرافت اور شوخی بھی ان کی فطرت کی حصّہ تھی۔ وہ تنہائی پسند نہیں بلکہ مجلس میں رہنے والے شخص تھے۔لہٰذا زندگی کے نشیب وفراز کا انھوں نے عمیق مطالعہ، مشاہدہ اور تجربہ کیا۔ ہندوستانی تہذیب وثقافت، مشترکہ تہذیب وتمدّن، انسان دوستی، صداقت، تہواروں اور کھیل کود وغیرہ سے انھیں خاص دلچسپی تھی جس کا ذکر ان کی نظموں میں جابجا موجود ہے۔

وہ منکسر المزاج شخص تھے۔سماج کے ہر طبقے کے لوگوں سے ان کا ربط ضبط تھا۔ ہر مذہب وملّت کے ماننے والے انھیں عزیز رکھتے تھے۔ وہ ہر مذہبی موقعے پر ان کے ساتھ شریک بھی ہوتے تھے۔ وہ پوری زندگی معلّمی کے پیشے سے منسلک رہے لہٰذا ایک معلم کی معاشی پریشانیوں سے بھی وہ بخوبی واقف تھے۔نظم 'مفلسی' میں انھوں نے معلم کی معاشی صورتحال کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

وہ جو غریب غربا کے بچے پڑھاتے ہیں
ان کی تو عمر بھر نہیں جاتی ہے مفلسی

نظیر اکبر آبادی نے ایک عوامی شاعر کی حیثیت سے مقبولیت حاصل کی۔انسان کی روزمرّہ زندگی، سماج اور معاشرے کے مختلف پہلوؤں اور گوشوں کی اپنی نظموں میں حقیقت پسندانہ عکاسی کی وجہ سے انھوں نے عوام کے دلوں پر حکمرانی کی اور آج بھی ان کی نظمیں غور وفکر کی دعوت دیتی ہیں۔

اپنی معلومات کی جانچ:

۱۔نظیر اکبر آبادی کہاں پیدا ہوئے؟
۲۔نظیر کے والد کا نام کیا تھا؟
۳۔نظیر کس پیشے سے منسلک تھے؟
۴۔نظیر کا انتقال کس شہر میں ہوا؟
۵۔نظیر کا اصل نام کیا تھا؟

1.3.2: شاعری کی خصوصیات

نظیر اکبر آبادی بنیادی طور پر نظم گو شاعر ہیں۔ انھوں نے غزل اور دیگر اصناف سخن پر بھی طبع آزمائی کی لیکن انھیں شہرت نظموں کی وجہ سے ہی ملی۔ میرؔ، سوداؔ، میر حسنؔ، جرأت وغیرہ جیسے بلند پایہ شاعران کے ہم عصر تھے۔ یہ دور اردو غزل کا عہد زریں تھا۔ لیکن نظیر نے نظم نگاری کو اپنی شاعری کے لیے منتخب کیا اور اپنے مخصوص اسلوب اور عوامی لب و لہجے سے اردو نظم کو ایک نئی راہ دکھائی۔ انھوں نے اردو شاعری کو خیالی دنیا سے باہر نکال کر انسان کی حقیقی زندگی سے اس کا رشتہ جوڑا۔

شعر و ادب کی تخلیق کے محرکات انسانی زندگی اور سماج و معاشرے میں رونما ہونے والے مختلف حالات و واقعات ہوتے ہیں اور ادیب یا شاعر اپنی خلاقانہ صلاحیتوں کو بروے کار لاتے ہوئے اسے اپنی تخلیقات کا حصّہ بناتا ہے۔ اس لحاظ سے نظیر اکبر آبادی ایک ایسے شاعر ہیں جنھوں نے اپنی شاعری کے لیے سارا مواد اپنے گرد و پیش کے سماج اور معاشعرے سے اخذ کیا اور انھیں پوری سنجیدگی اور دردمندی کے ساتھ اپنی نظموں میں پیش کیا۔ نظیر اکبر آبادی نے اپنے عہد میں مروّجہ شعری روایات کے برعکس عوامی معاملات و مسائل کو اپنے تخیل، تجربے، مشاہدے اور انسان دوستی کے جذبے سے معمور ہو کر اپنی شاعری میں جگہ دی۔ بقول مجنوں گورکھپوری:

> ”نظیر کا کلام اپنے وقت اور اپنے ماحول کا آئینہ ہے۔ واقعات و حالات اور رسوم و روایات کی جیسی زندگی سے معمور تصویریں نظیر نے ہم کو دی ہیں وہ اردو شاعری کے حصّے کی چیز نہ تھیں۔“

انسانی زندگی اور معاشرے کی حقیقتوں اور حالات و مسائل کو نظیر نے اپنے تجربے و مشاہدے اور تخیل کی بلند پروازی سے اپنی نظموں میں فنکارانہ مہارت سے پیش کیا ہے۔ وہ اپنی تخلیقی صلاحیت، زور بیان اور قادر الکلامی کے ذریعے اپنے جذبات واحساسات اور مشاہدات کی ترجمانی اتنے خوبصورت پیرائے میں کرتے ہیں کہ قاری کے سامنے اس کی پوری تصویر گھوم جاتی ہے۔ سادگی اور برجستگی ان کے کلام کو پُر اثر بناتی ہے۔ ہولی، دیوالی، آگرہ کی تیراکی، مفلسی، تندرستی، برسات کی بہاریں، آندھی، بھونچال، ریچھ کا بچہ، چاندنی رات وغیرہ ایسی نظمیں ہیں جو مرقع نگاری کا بہترین نمونہ ہیں۔

نظیر کا تجربہ ومشاہدہ اتنا وسیع اور ہمہ گیر ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی بھی پہلو خواہ اس کا تعلق مذہب، سیاست، سماج، معیشت، تہذیب وتمدن، کھیل کود، سیر وتفریح وغیرہ کسی سے بھی ہو، ان کی نظروں سے اوجھل نہیں رہتا۔ وہ انسانی زندگی کے ہر گوشے اور پہلو کوفنی چابکدستی اور ہنر مندی سے موضوع سخن بناتے ہیں۔ بقول سید مجاور حسین:

> ''نظیر ہندوستان کی ادبی تاریخ کے واحد عوامی شاعر ہیں جنھوں نے دور حاضر کی عوامی شاعری کے لیے راہیں اور سمتیں متعین کیں اور جنھوں نے اٹھارہویں صدی میں مشترکہ کلچر، قومی یک جہتی کے تصورات اور اس کی زرعی معاشرت وتہذیب کو اپنی شاعری میں جگہ دی جو تقریباً پانچ ہزار سال کی تاریخ کی وارث تھی۔''

نظیر اکبرآبادی کا عہد اور ماحول سماجی، سیاسی اور تہذیبی اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے۔ شہر آگرہ عہد اکبر میں سماجی وسیاسی اعتبار سے ایک اہم مرکز بن چکا تھا۔ اس سرزمین پر بھگتی تحریک کی امن وآشتی، بھائی چارگی، انسان دوستی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی تعلیم چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ نظیر نے اس ماحول ومعاشرے کو بہت قریب سے دیکھا اور محسوس کیا اور ایک حساس شاعر کی حیثیت سے انسانی زندگی کی رنگا رنگ کیفیات کو اپنے تجربے ومشاہدے سے اپنی نظموں کا موضوع بنایا۔

مغلیہ سلطنت کے زوال کے دور میں آگرہ بھی ناسازگار حالات کا شکار ہوا۔ سماجی اور معاشی اعتبار سے وہاں کے عوام کو پریشانیوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس صورتحال کو نظیر نے اپنی ایک مشہور نظم ''شہرآشوب'' میں نہایت خوبصورتی سے اجاگر کیا ہے۔ یہ نظم نظیر کے واضح سماجی شعور اور انسان دوستی ودردمندی کی عمدہ مثال ہے۔

نظیر کی شاعری حقائق پر مبنی ہے اور وہ زندگی کی حقیقتوں کے ترجمان ہیں۔ وہ انسانیت کے پجاری ہیں۔ وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ حرص وہوس، مفاد پرستی اور خودغرضی انسانیت کی دشمن ہے۔ طبقاتی سماج کی کشمکش، فرسودہ روایات اور رسم ورواج کے برعکس انھوں نے انسانی زندگی میں معاشرتی حسن سلوک اور بھائی چارگی پر زور دیا۔ ان کے کلام میں مذہبی رواداری، معاشرتی حسن وسلوک اور انسان دوستی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

وہ انسان کو مذہب وملّت یا رنگ ونسل کے نام پر نہیں بلکہ اسے صرف انسان کی حیثیت سے پہچانتے ہیں اور اس کی قدر کرتے ہیں۔ نظیر اپنے افکار ونظریات کے اعتبار سے وسیع النظر اور وسیع المشرب تھے۔ انھوں نے اپنے کلام میں اور اپنی عملی زندگی میں اعلیٰ انسانی قدروں کی پرزور حمایت کی ہے۔ سیکولر طرز عمل کی عمدہ مثالیں ان کی شاعری میں جا بجا موجود ہیں۔ مذہب وملّت اور ذات پات کے تفریق سے الگ نظیر نے جس خدا کا تصور پیش کیا ہے وہ یہ ہے: ؎

جھگڑا نہ کرے مذہب و ملت کا کوئی یاں　　　جس راہ میں جو آن پڑے خوش رہے ہر آں
زنار گلے یا کہ بغل بیچ ہو قرآں　　　عاشق تو قلندر ہے نہ ہندو نہ مسلماں

کافر نہ کوئی صاحب اسلام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

نظیر مذہب وملّت ، ذات پات ،حرص وہوس ،خودغرضی ، مفاد پرستی کے سبب انسانی کشمکش ،محرومی اور اداسی سے خوب واقف ہیں۔اسی لیے ان کے یہاں صبر وقناعت دردمندی ، رواداری ، آپسی ہم آہنگی بے ثبات زندگی کے لیے نہایت سود مند ہے۔نظیر کے بقول:

افلاس میں ، ادبار میں ، اقبال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

نظیر نے زندگی کی بے ثباتی اور اس میں انسان کی محرومیوں ، اداسیوں اور الجھنوں کو عوامی لب ولہجہ میں یوں پیش کیا ہے: ؎

جو تو کہتا ہے اے غافل یہ تیرا ہے یہ میرا ہے　　　یہ جس کا ہے اس کا ہے نہ تیرا ہے نہ میرا ہے
تو اول سوچ دل میں کہ تو ہے کون اور کیا ہے　　　نمازی ہے ، شرابی ہے ، اچکا ہے، لٹیرا ہے
تری کیا ذات ہے، کیا نام ہے کیا کام کرتا ہے　　　مسافر بے وطن ہے یا تیرا اس جا پہ ڈیرا ہے
جب ان چیزوں سے تو اپنے تئیں کچھ چیز ٹھہرا لے　　　تو اس کے بعد پھر کہیو کہ یہ تیرا ہے کہ میرا ہے
یہ چیزیں تو غرض کیا ہیں، تو اپنا ہی نہیں مالک　　　تجھے او بے خبر ناداں ، یہ کس غفلت نے گھیرا ہے

مندرجہ بالا اشعار زندگی کے تئیں نظیر کے مثبت افکار وخیالات کا بین ثبوت ہیں۔ بے ثبات زندگی کی اہمیت اگر انسان سمجھ لے تو وہ اپنی محرومیوں اور اداسیوں سے چھٹکارا حاصل کرسکتا ہے کیوں کہ بقول نظیر: ؎

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا　　　جب لاد چلے گا بنجارہ

نظیر اکبر آبادی کی شاعری کے موضوعات عوامی زندگی اور انسان کے حالات وواقعات سے وابستہ ہیں، اس لیے انھوں نے عوامی زبان اور عام لب ولہجہ کا استعمال کثرت سے کیا ہے۔ان کی زبان عام فہم اور سادہ ہے۔بنجارہ نامہ ،آدمی نامہ، مفلسی ، روٹیاں ، تندرستی ، عاشق نامہ ، چڑیوں کی تسبیح ،طفلی نامہ ، کلجگ ،عید ، دیوالی ، ہولی ،شب برات ، جنم کنہیا

جی، تاج گنج کا روضہ، عشق اللہ، حضرت سلیم چشتی، حضرت گرو گنج بخش، کورا برتن، روٹی نامہ، ریچھ کا بچہ، جوگن نامہ، راکھی، بلدیو جی کا میلہ، برسات کی بہاریں، جھونپڑا، آٹے دال کا بیان وغیرہ جیسی نظمیں عوامی مسائل سے نظیر اکبرآبادی کی دلچسپی کو نمایاں کرتی ہیں۔ ان کی شاعری زندگی کے بنیادی حقائق کی نہ صرف نشاندہی کرتی ہے بلکہ تمام جزئیات کے ساتھ ان کی حقیقی عکاس بھی ہے۔ ان کے کلام میں زندگی اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ موجود ہے۔ نظیر اکبرآبادی اپنے شاعرانہ کمالات کی بدولت بلاشبہ اردو نظم نگاری کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اپنی معلومات کی جانچ:

۱۔ نظیر کے دو معاصر شعرا کے نام لکھیے۔

۲۔ نظیر کی چار نظموں کے عنوان لکھیے۔

۳۔ نظیر کی شاعری کے موضوعات کیا ہیں؟

1.4: نظیر اکبرآبادی کی نظم 'آدمی نامہ'

1.4.1: متن

آدمی نامہ

دُنیا میں بادشہ ہے، سو ہے وہ بھی آدمی اور مُفلس و گدا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
زر دار و بے نوا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی نعمت جو کھا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے جو مانگتا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی نار ہے اور آدمی ہی نور یاں آدمی ہی پاس ہے، اور آدمی ہی دور
کل آدمی کا حُسن و قبح میں ہے یاں ظہور شیطاں بھی آدمی ہے، جو کرتا ہے مکر و زور
اور ہادی، رہنما ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں، میاں! بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں

پڑھتے ہیں آدمی ہی قرآن، اور نماز، یاں
اور آدمی ہی، اُن کی چُراتے ہیں جوتیاں
جو اُن کو تاڑتا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی پہ جان کو وارے ہے آدمی
اور آدمی ہی تیغ سے مارے ہے آدمی
پگڑی بھی آدمی کی اُتارے ہے آدمی
چلاّکے آدمی کو پکارے ہے آدمی
اور سُن کے دوڑتا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

بیٹھے ہیں آدمی ہی دُکانیں لگا لگا
کہتا ہے کوئی، لو! کوئی کہتا ہے، لارے لا!
اور آدمی ہی پھرتے ہیں رکھ سر پہ خوانچا
کس کس طرح سے بیچیں ہیں چیزیں؟ بنا بنا
اور مول لے رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

اِک آدمی ہیں، جن کی یہ کچھ زرق برق ہے
روپے کے جن کے پاؤں ہیں، سونے کے فرق ہیں
جُھمکے، تمام غرب سے لے تا بہ شرق ہیں
کمخواب، تاش، شال، دوشالوں میں غرق ہیں
اور چیتھڑوں لگا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

اشراف اور کمینے سے لے شاہ تا وزیر
ہیں آدمی ہی صاحبِ عزت اور حقیر
یاں آدمی مُرید ہیں اور آدمی ہی پیر
اچّھا بھی آدمی ہی کہاتا ہے اے نظیرؔ!
اور سب میں جو بُرا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

1.4.2: تشریح

نظیرؔ اکبر آبادی کی نظم ''آدمی نامہ'' پانچ مصرعوں کی مخمس ترکیب بند ہے۔ اس نظم میں شاعر نے سماج اور معاشرے میں انسان کے مختلف مراتب اور پہلوؤں کا ذکر کیا ہے۔

پہلے بند میں شاعر کہتا ہے کہ دنیا میں چاہے بادشاہ ہو یا مفلس، دولت مند ہو یا فقیر، وہ آدمی جسے آرام کے ساتھ کھانا میسر ہے اور وہ آدمی جو بھیک مانگ کر اپنی زندگی بسر کر رہا ہے، سب انسان ہیں۔

دوسرے بند میں شاعر کہتا ہے کہ انسان ایک دوسرے کے لیے آگ کی طرح مصیبت اور پریشانی کا سبب بھی

ہے تو وہی محبت کی طرح راحت اور روشنی کا ذریعہ بھی۔ اسی دنیا میں ہی آدمی کی تمام خوبصورتی اور بدصورتی، اچھائی اور برائی اجاگر ہوتی ہے اور آدمی ہی کو شیطانی حرکات میں مہارت حاصل ہے یعنی وہ مکر و فریب سے کام لیتا ہے، تو دوسری طرف وہی صحیح راستہ دکھانے کا کام بھی کرتا ہے۔

تیسرے بند میں اس بات کی طرف توجہ مرکوز کی گئی ہے کہ دنیا میں اللہ کی عبادت کے لیے مسجد بھی انسان ہی بناتے ہیں اور وہی نماز پڑھتے اور پڑھاتے ہیں اور اللہ کے احکام کا ذکر اپنے خطبے میں کرتے ہیں۔ آدمی ہی قرآن اور نماز پڑھتے ہیں اور وہ بھی آدم ہی کی اولاد ہیں جو مسجدوں سے جوتے چپل چراتے ہیں اور وہ بھی آدمی ہی ہے جو ان کی حرکتوں کو بھانپ لیتا ہے۔

چوتھے بند میں یہ کہا جا رہا ہے کہ دنیا میں آدمی ہی آدمی کی حفاظت کے لیے اپنی جان کی پروا نہیں کرتا اور یہی انسان دوسرے انسان کا دشمن بن کر اس کا سر تلوار سے کاٹ دیتا ہے۔ یہاں انسان ہی انسان کی بے عزتی اور بے حرمتی کرتا ہے۔ مصیبت اور پریشانی میں آدمی، آدمی ہی کو آواز دیتا ہے اور اس کی آواز سُن کر اس کی مدد کے لیے آدمی ہی دوڑ کر آتا ہے۔

پانچویں بند میں شاعر کہتا ہے کہ دنیا میں مختلف دکانیں آدمیوں نے لگا رکھی ہیں جہاں آدمی ہی سامان خریدتے ہیں۔ یہاں کوئی سامان بیچنے کے لیے محبت سے پیش آتا ہے تو کوئی بے رخی سے سامان خریدتا ہے۔ یہاں آدمی ہی سر پر ٹوکرے میں سامان اُٹھا کر اسے بیچنے کے لیے مارے مارے پھرتے ہیں اور وہ مختلف قسم کی چیزیں بنا بنا کر بیچتے ہیں اور انھیں خریدنے والے بھی آدمی ہی ہوتے ہیں۔

چھٹے بند میں شاعر کہتا ہے کہ یہاں کچھ ایسے انسان ہیں جن کی شان و شوکت نرالی ہے۔ ان کے پاس دھن اور دولت کی بھرمار ہے اور عیش و آرام کی ہر چیز انھیں میسر ہے اور اس دنیا میں ایسے آدمی بھی ہیں جو پھٹے پرانے کپڑے پہن کر پریشانیوں اور مصیبتوں میں اپنی زندگی گزار رہے ہیں۔

ساتویں بند میں شاعر کہتا ہے کہ دنیا میں شریف، کمینے، بادشاہ، وزیر، عزّت دار لوگ، حقیر اور فقیر، مرید اور پیر سب آدم ہی کی اولاد ہیں۔ دنیا میں آدمی ہی سب سے اچھا ہے اور سب سے برا بھی آدمی ہی ہے۔ شاعر نے آخری بند کے چوتھے مصرعے میں اپنا تخلص بھی استعمال کیا ہے۔

1.4.3: تجزیہ:

'آدمی نامہ' نظیرؔ اکبرآبادی کی ایک مشہور نظم ہے۔ نظیرؔ اکبرآبادی انسانی زندگی کے حالات ومسائل سے سروکار رکھتے ہیں۔ ان کا کلام سماجی ومعاشرتی حالات کی حقیقی تصویر قاری کے سامنے پیش کرتا ہے۔ بقول احتشام حسین:

''نظیرؔ پہلا شاعر ہے جو زمین پر کھڑا معلوم ہوتا ہے۔''

نظم 'آدمی نامہ' میں نظیرؔ نے سماج اور معاشرے میں انسانی زندگی کے مختلف روپ، سماجی حیثیت اور مرتبے کو فلسفیانہ انداز میں اجاگر کیا ہے۔ وہ اس عظیم کائنات میں ہر انسان کو اہم جانتے ہیں لیکن طبقاتی سماج میں آدمی کی سماجی حیثیت اور مرتبے کے امتیازات کو بھی بخوبی سمجھتے ہیں۔ یہ نظم انسان کی سماجی حیثیت اور اس کے مختلف روپ اور نفسیات کو اجاگر کرتی ہے جس کے ذریعے شاعر یہ بتانا چاہتا ہے کہ دنیا میں بادشاہ ہو یا رعایا، دولت مند ہو یا فقیر، حسن اخلاق سے پیش آنے والا ہو یا مکار وفریبی، صحیح راستہ دکھانے والا ہو یا غلط راہ بتانے والا، سب آدمی کے ہی مختلف روپ ہیں۔

دنیا میں آدمی ہی مسجد بناتا ہے، وہی نماز پڑھتا ہے اور پڑھاتا ہے، خطبہ دیتا اور سنتا ہے اور آدمی ہی چوری بھی کرتا ہے۔ یہاں آدمی ہی آدمی کی خاطر اپنی جان قربان کرتا ہے اور وہی کسی آدمی کی جان بھی لیتا ہے۔ آدمی ہی آدمی کی بے عزّتی کرتا ہے اور وہی مصیبت کے وقت اس کے کام آتا ہے۔ دنیا میں شان وشوکت کے ساتھ زندگی گزارنے والا اور مفلسی میں زندگی بسر کرنے والا، شریف اور کمینہ، مالک اور غلام، بادشاہ اور وزیر، مرید اور پیر سب آدمی ہی کے مختلف روپ ہیں۔ دنیا میں جو سب سے اچھا اور سب سے بُرا ہے وہ بھی آدمی ہی ہے۔

غرض کہ اس نظم میں نظیرؔ اکبرآبادی نے انسانی زندگی کی رنگارنگی کی خوبصورت عکاسی کی ہے۔ دنیا کا سارا کاروبار آدمی کے ہی دم سے چل رہا ہے اور یہاں رونق بھی آدمی ہی کی وجہ سے ہے۔ یہ نظم محض کسی ایک دور کے انسانی سماج کی تصویر کشی نہیں ہے بلکہ اس نظم کا کینوس وسیع ہے اور یہ ہر دور کے انسانی سماج کے لیے آفاقیت کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ نظم نظیرؔ کی صداقت، رواداری اور انسان دوستی کا واضح ثبوت ہے۔ نظم 'آدمی نامہ' کے مطالعے سے نظیرؔ اکبرآبادی کے فکر و فن کی انفرادیت، تجربے اور مشاہدے کی وسعت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ انھوں نے فنی مہارت کے ساتھ انسانی سماج کے تضاد کو پیش کیا ہے جو قاری کو غور وفکر کرنے دعوت دیتا ہے اور سماج میں معاشرتی حسن سلوک کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ یہ نظم اپنے عام فہم انداز بیان اور معنویت کے اعتبار سے شاہکار کا درجہ رکھتی ہے۔

1.5: خلاصہ

اردو شعر و ادب کی تاریخ میں نظیر اکبر آبادی ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ انھوں نے مختلف اصناف سخن پر طبع آزمائی کی لیکن اردو نظم نگاری کو فروغ دینے اور اسے ایک اہم صنف بنانے میں ان کا کارنامہ قابل ذکر اور اہمیت کا حامل ہے۔ نظیر کا پورا نام ولی محمد اور نظیر تخلص تھا۔ اردو شاعری میں وہ نظیر اکبر آبادی کے نام سے مشہور ہوئے۔

نظیر اکبر آبادی نے غزل گوئی کے مقابلے نظم نگاری کو ترجیح دی اور اس صنف کو اپنی شاعری کا ذریعہ بنایا۔

نظیر اکبر آبادی منکسر المزاج اور وسیع المشرب انسان تھے۔ عوامی مسائل، صداقت، رواداری، انسان دوستی، مشترکہ تہذیب وتمدن ان کے کلام کی بنیادی خصوصیات ہیں۔ انھوں نے تشبیہات و استعارات ہندوستانی تہذیب و معاشرے سے اخذ کیے ہیں۔

نظیر کی شاعری کے موضوعات کا تعلق عوامی حالات و مسائل سے ہے اور انھوں نے عوامی زبان اور عام لب و لہجہ کا استعمال کثرت سے کیا ہے۔

نظیر کی شاعری انسانی زندگی، سماج اور معاشرے کے مختلف پہلوؤں کی ترجمان ہے۔ ان کی شاعری میں انسانی سماج اپنی تمام خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے۔

1.6: نمونۂ امتحانی سوالات:

۱۔ نظیر اکبر آبادی کی زندگی کے حالات پر روشنی ڈالیے۔

۲۔ نظیر کی شاعری کی خصوصیات بیان کیجیے۔

۳۔ نظیر کی نظم 'آدمی نامہ' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

1.7: فرہنگ

الفاظ	معنی
منفرد	الگ، تنہا

آغاز	شروع
مروّجہ	رائج شدہ
سنگ میل	میل کا پتھر، اہمیت کا حامل
گوناگوں	مختلف
شہرت	نام ونمود
صداقت	سچائی
مشترکہ	ملاجلا، ساجھے کا
امین	محافظ، رکھوالا
وسیع	کشادہ، پھیلا ہوا
وفات	موت، انتقال
والدین	ماں باپ
پرآشوب	بے چینی بھرا، خوف ناک، ہیبت ناک
انتشار	بے چینی
وسیع المشرب	وسیع القلب، بڑے دل والا، کھلے دل والا
ہجرت	ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا
ناسازگار	ناموافق
ستم ظریفی	بدقسمتی
دارالخلافہ	راجدھانی
فنِ خطاطی	خوش نویسی کا فن
ظرافت	ہنسی مذاق، مزاح
نشیب وفراز	اتار چڑھاؤ
عمیق	گہرا
مشاہدہ	کسی چیز کو غور سے دیکھنا

شغف	دلچسپی
منکسر المزاج	عاجزی اور انکسار، نرم مزاج
منسلک	جڑا ہوا
ہم عصر	ایک ہی عہد کا، ایک ہی زمانے کا
محرکات	محرک کی جمع تحریک
تخیل	سوچنا، فکر کرنا
قادر الکلامی	کلام پر قدرت رکھنے والا، اپنی باتوں کو بخوبی پیش کرنے والا
حرص و ہوس	لالچ
مفاد پرست	مطلب پرست
تفریق	امتیاز، فرق
عہد زریں	سنہرا دور، بہترین زمانہ
جزئیات	جز کی جمع
مفلس و گدا	فقیر محتاج
زردار	مالدار، دولت مند
نار	آگ
نور	روشنی
حسن و قبح	اچھا اور برا، نیک و بد
مکر و زور	جعل سازی، فریب، دھوکہ
ہادی	راستہ دکھانے والا
رہنما	راہ دکھانے والا
خطبۂ خواں	خطبہ دینے والا
وارنا	قربان کرنا

زرق برق	شان وشوکت
فرق	پیشانی
غرب	مغرب
شرق	مشرق
کم خواب	ریشمی لباس
اشراف	شرف کی جمع، شریف لوگ

1.8 سفارش کردہ کتابیں:

اردو ادب کی تنقیدی تاریخ	سید احتشام حسین
نظیر نامہ	شمس الحق عثمانی
نظیر شناسی	اکبر علی بیگ، محمد علی اثر (مرتبین)
نظیر اکبرآبادی	(ہندوستانی ادب کے معمار، ساہتیہ اکادمی دہلی) محمد حسن

اکائی:2

خواجہ الطاف حسین حالؔی

ساخت

2.1 اغراض و مقاصد

2.2 تمہید

2.3 الطاف حسین حالؔی کا تعارف

2.3.1 حالات زندگی

2.3.2 شاعری کی خصوصیات

2.4 الطاف حسین حالؔی کی نظم انتخاب مسدّس حالی

2.4.1 متن

2.4.2 تشریح ''انتخاب مسدّس حالؔی''

2.4.3 ''انتخاب مسدّس حالی'' کا تجزیہ

2.5 خلاصہ

2.6 نمونہ امتحانی سوالات

2.7 فرہنگ

2.8 سفارش کردہ کتابیں

2.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی میں خواجہ الطاف حسین حالؔی کی زندگی کے حالات اور ان کے شاعرانہ کمالات بیان کیے گئے ہیں اور ان کی مشہور نظم ''مسدّس حالؔی'' کے منتخب اشعار کی تشریح اور اس کا تجزیہ بھی کیا گیا ہے۔

اس اکائی کے مطالعے کے بعد طلبا سے امید کی جاتی ہے کہ:

☆ الطاف حسین حالؔی کی زندگی کے حالات اور ان کی شاعری کی خصوصیات بیان کر سکیں۔

☆ حالؔی کی نظم ''مسدّس حالؔی'' پر اظہار خیال کر سکیں اور انتخاب مسدس حالؔی کے اشعار کی تشریح کر سکیں۔

☆ ''انتخاب مسدّس حالؔی'' کا تجزیہ اور خلاصہ بیان کر سکیں۔

2.2 تمہید

اردو شعر و ادب میں خواجہ الطاف حسین حالؔی کا نام محتاج تعارف نہیں ہے۔ حالؔی نہ صرف ایک بلند پایہ شاعر، ادیب، نثر نگار، نقاد اور سوانح نگار تھے بلکہ مصلح قوم بھی تھے۔ حالؔی نے اردو شاعری کو نئی سمت اور نئی فضا سے آشنا کیا۔ اردو تنقید کا آغاز ان کی کتاب ''مقدمہ شعر و شاعری'' سے ہوا جس میں حالؔی نے شاعری اور اصول شعر سے بحث کرتے ہوئے اس کے مقاصد کو واضح کیا۔ یہ کتاب اردو شاعری اور اردو تنقید کے نئے دور کے آغاز کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

حالؔی نے مختلف اصناف سخن پر طبع آزمائی کی لیکن جدید اردو نظم کو پروان چڑھانے اور اسے فروغ دینے میں انھوں نے اپنا خون جگر صرف کیا اور اسی لیے اردو نظم نگاری کی تاریخ میں انھیں امتیازی مقام حاصل ہے۔ جدید اردو نثر کے فروغ میں بھی حالؔی نے نا قابل فراموش کردار ادا کیا ہے۔ حیات سعدی، یادگار غالبؔ، حیات جاوید ان کی اہم سوانحی تصانیف ہیں۔

حالؔی نے اپنے شعری سفر کا آغاز غزل گوئی سے کیا لیکن سماجی اور معاشرتی اصلاح اور قوم وملّت کی فلاح و بہبود کے لیے نظم نگاری کی طرف متوجہ ہوئے اور قومی اور نیچرل شاعر کی حیثیت سے نمایاں مقام حاصل کیا۔ حالؔی کی نظموں کے مطالعے سے ان کی متانت، سنجیدگی، دردمندی قوم وملّت کی بہبودی اور حب الوطنی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ حالؔی کی شخصیت اردو شعر وادب میں کئی اعتبار سے ممتاز حیثیت کی حامل ہے۔

2.3 الطاف حسین حالؔی کا تعارف

2.3.1 حالات زندگی

خواجہ الطاف حسین حالؔی کے آباواجداد سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں ہرات سے ہندوستان آئے تھے اور پانی پت میں مقیم ہوئے تھے۔ حالؔی 1837ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام خواجہ ایزد بخش تھا۔ حالؔی کی پیدائش کے بعد ان کی والدہ دماغی مرض میں مبتلا ہوگئیں اور ابھی وہ نو برس کے ہی تھے کہ والد کا سایہ بھی سر سے اُٹھ گیا۔ والد کے انتقال کے بعد حالؔی بھائی بہنوں کی سرپرستی میں رہے۔ ان کی ابتدائی تعلیم قرآن حفظ کرنے سے شروع ہوئی۔ اس کے بعد انھوں نے عربی، فارسی اور دیگر مذہبی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ حالؔی کے دل میں بچپن سے ہی تعلیم حاصل کرنے کا جذبہ موجود تھا لیکن گھر کی مالی حالت خراب ہونے کی وجہ سے وہ اسکول کی تعلیم حاصل نہیں کر سکے۔ اس عہد میں کم عمری میں ہی لڑکے اور لڑکیوں کی شادی کا رواج عام تھا۔ حالؔی کی شادی بھی محض 17 برس کی عمر میں گھر کے لوگوں نے ان کی ماموں زاد بہن اسلام النسا کے ساتھ 1853ء میں کر دی۔ حالؔی ذہنی طور پر شادی کے لیے تیار نہیں تھے بلکہ وہ مزید تعلیم حاصل کرنے کی تگ و دو میں لگے ہوئے تھے۔ تعلیم کے حصول کے خاطر آخر کار ایک دن بغیر کسی کو بتائے رات میں دلّی کے لیے پیدل ہی نکل پڑے۔ اس وقت ان کی بیوی میکے میں تھیں اور خوش قسمتی سے ان کی سسرال کی معاشی حالت اچھی تھی۔ حالی 1854ء میں دلی پہنچے اور یہ وہ وقت تھا جب دلّی کے ادبی حلقوں میں مصطفیٰ علی خاں شیفتؔہ اور غالبؔ کی شاعری کی چرچا تھا۔ حالؔی نے دلّی پہنچ کر تعلیم حاصل کرنے کی کوشش جاری رکھی۔ انھیں پہلے شیفتؔہ اور پھر غالبؔ کی صحبت میں رہنے اور ان سے شعر و ادب کی باریکیوں کو سمجھنے کا موقع ملا۔ حالؔی نہایت ذہین اور بالغ النظر تھے اور ان کی یہ خوبیاں غالبؔ سے پوشیدہ نہیں تھیں اور غالبؔ نے حالؔی سے کہا تھا کہ:

"اگر تم شعر نہ کہو گے تو اپنے آپ پر ظلم کرو گے۔"

غالب کا یہ قول حالؔی کی ذہانت اور ذکاوت کا بین ثبوت ہے۔ دلّی کے ادبی اور علمی ماحول نے حالؔی کی شخصیت اور ان کے افکار و خیالات کی تعمیر و تشکیل میں کلیدی رول ادا کیا۔ گھر والوں کے اصرار پر حالؔی 1856ء میں واپس پانی پت چلے گئے۔ کچھ ہی دنوں بعد 1857ء کا انقلاب برپا ہوا جس نے ہندوستان کے سماجی، تہذیبی، سیاسی نیز معاشی امور پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ انگریزوں کے خلاف پہلی جنگ آزادی کی ناکامی ہندوستانی عوام خصوصاً مسلمانوں کی تباہی و بربادی کا سبب بنی۔ اس پرآشوب دور میں حالؔی نے سرسید احمد خاں کے ساتھ مل کر قوم و ملّت کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور ناگفتہ بہ حالات سے قوم کو نجات دلانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ قوم کی اصلاح کا کام انھوں نے شعر و ادب

کے ذریعہ کیا اور اپنے عہد کے حالات ومسائل کی حقیقی عکاسی اور ترجمانی کی اور عوام کو بیدار کرنے اور ترقی یافتہ قوموں سے درس لےکر زندگی کی دوڑ میں آگے بڑھنے کا حوصلہ عطا کیا۔

1887ء میں وہ حیدر آباد گئے جہاں درس وتدریس سے جُڑے رہے۔ چار سال بعد پھر واپس پانی پت آکر ادبی وعملی کاموں میں مشغول رہے۔ پانی پت میں ہی 31 دسمبر 1914ء کو ان کا انتقال ہوا اور اردو شعر وادب کا ایک روشن ستارہ، قوم کا غم خوار اور سچّا ہمدرد ابدی نیند سو گیا۔ لیکن آنے والی نسلوں کے لیے اپنی تخلیقات ورثے کے طور پر چھوڑ گیا جو آج بھی مشعل راہ کا کام کرتی ہیں۔ بقول سرسید احمد خاں:

> **''ہم کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ ہماری قوم میں ایک ایسا شخص پیدا ہوا۔ آئندہ زمانے میں جو کہا جائے گا فخر قوم، فخر شعرا، فخر علما، اور زندہ کرنے والا اور راہ بتانے والا .... کون ہے کہا جائے گا حالؔی۔''**

اپنی معلومات کی جانچ:

۱۔ حالؔی کب اور کہاں پیدا ہوئے؟

۲۔ حالؔی کے والد کا نام کیا تھا؟

۳۔ حالؔی کی دو سوانحی تصانیف کا نام لکھیے؟

۴۔ حالؔی نے کہاں وفات پائی؟

۵۔ حالؔی کے آبا و اجداد کہاں سے ہندوستان آئے تھے؟

2.3.2 شاعری کی خصوصیات

خواجہ الطاف حسین حالؔی کو اردو شاعری میں بلند مرتبہ حاصل ہے۔ انھوں نے شاعری کا آغاز روایتی انداز میں غزل گوئی سے کیا۔ مثنوی اور مرثیہ بھی لکھا لیکن شاعری میں انھیں شہرت نظم نگاری کی بدولت ملی۔ اردو نظم نگاری کو فروغ دینے اور اسے ایک نئی جہت سے آشنا کرنے میں انھوں نے نمایاں کردار ادا کیا۔

حالؔی نے جس عہد میں باضابطہ شاعری کا آغاز کیا وہ سماجی اور سیاسی اعتبار سے انتشار کا زمانہ تھا۔ 1857ء کا انقلاب رونما ہو چکا تھا اور انگریزوں کے خلاف پہلی ناکام جنگ آزادی کے اثرات ہندوستانی عوام پر پڑنے لگے تھے۔ ہندوستان پر انگریزی حکومت پوری طرح قابض تھی اور وہ مسلمانوں کو خاص طور سے اس انقلاب کا ذمہ دار سمجھتی تھی اور

اس لیے خصوصاً مسلمان انگریزوں کے شدید عتاب اور بربریت کا نشانہ بنے۔ یہ وہ دور تھا جب مسلمانوں کی ذہنی اور معاشرتی پستی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ مسلمان سماجی، سیاسی، معاشرتی اور تعلیمی اعتبار سے ٹوٹ چکے تھے۔ وہ اپنے شاندار ماضی کی یاد میں حال اور مستقبل کے خطرات سے بے خبر تھے۔اس ناگفتہ بہ حالات میں سرسید احمد خاں نے مسلمانوں کی تعلیمی، معاشرتی اور سماجی اصلاح کا بار اپنے کندھوں پر اٹھایا۔سرسید کے اس اصلاحی مشن میں حالؔی نے ان کا بھرپور ساتھ دیا اور قوم کو ذلّت اور رسوائی سے بچانے اور اسے ترقی یافتہ قوموں کے شانہ بہ شانہ لانے میں شعر و ادب کو ذریعہ بنایا۔اس دور کے حالات و مسائل 'انجمن پنجاب لاہور کی نظم گوئی کی تحریک' اور 'سرسید تحریک' نے حالؔی کو نظم نگاری کی طرف متوجہ کیا۔

حالؔی بنیادی طور پر حساس، غم خوار اور دردمند دل رکھتے تھے۔ زمانے کے تغیرات نے انھیں مزید حساس اور غم خوار بنا دیا تھا۔ مسلمانوں کا زوال اور ان کی زبوں حالی کا انھوں نے بغور مشاہدہ و مطالعہ کیا تھا۔لہٰذا قوم و ملّت کی اصلاح کے لیے انھوں نے قومی و نیچرل شاعری پر زور دیا۔کلام میں صداقت اور حقیقت بیانی کو اہم جانا۔اس امر کا بین ثبوت ان کی تصنیف ''مقدمہ شعر و شاعری'' ہے جس میں انھوں نے شاعری کے اغراض و مقاصد اجاگر کیے ہیں۔حالؔی کے نزدیک اچھا شعر وہ ہے جس میں سادگی، جوش اور اصلیت ہو یعنی وہ خیالی دنیا کے بجائے انسانی زندگی کے حقیقی مسائل کی عکاسی کرے۔ حالؔی کی شاعری کے مطالعے سے ان کے کلام کی سادگی، سلاست، روانی اور صداقت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

حالؔی نے سرسید کی فرمائش پر 1879ء میں اپنی مشہور و معروف نظم ''مد و جزر اسلام'' لکھی۔ یہ نظم مسدّس کی ہئیت میں لکھی گئی ہے اور اس لیے اسے ''مسدّس حالی'' کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔حالؔی نے یہ نظم ہندوستانی مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے، ان کا کھویا ہوا وقار بحال کرنے، انھیں ترقی یافتہ قوموں کے شانہ بشانہ زندگی کی دوڑ میں آگے بڑھنے اور ان کے شاندار ماضی کے کارنامے یاد دلا کر ان میں حوصلہ پیدا کرنے کی غرض سے لکھی۔سادگی بیان ،حقیقت نگاری، دردمندی اور خلوص اس نظم کی اہم خوبیاں ہیں۔ حالؔی کا یہ شاہکار مسلمانوں کو بیدار کرنے اور انھیں غور و فکر کی دعوت دینے اور عملی زندگی میں جد و جہد کرنے میں معاون ثابت ہوا۔اس نظم کی معنویت میں اس کی آفاقیت کا راز پوشیدہ ہے۔ حالؔی نے اپنی ایک اور مشہور نظم ''مناجات بیوہ'' 1884ء میں لکھی۔ یہ نظم بیوہ عورتوں کے جذبات و احساسات اور بے کسی کی ترجمان ہے۔ معاشرے میں بیوہ عورتیں شرعی احکام کے برعکس فرسودہ رسم و رواج کے جبر کی وجہ سے لاچاری اور بے بسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

حالؔی کی نظم ’’حب وطن‘‘ ملک وقوم سے محبت، آپسی اتحاد و اتفاق اور مساوات کا درس دیتی ہے۔ قومی، اخلاقی اور اصلاحی موضوعات پر حالؔی کی نظمیں اپنی مثال آپ ہیں۔ یہ نظمیں عصری تقاضوں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ نئے رجحانات اور امکانات کو بھی نمایاں کرتی ہیں۔ ’’مسدّس حالؔی‘‘، ’’مناجات بیوہ‘‘، ’’حب وطن‘‘ کے علاوہ ’’برکھا رُت‘‘، ’’مناظرہ رحم وانصاف‘‘، ’’چُپ کی داد‘‘، ’’مٹی کا دیا‘‘ وغیرہ جیسی ان کی نظمیں مشہور و مقبول ہوئیں۔

حالؔی شعر و ادب کی مقصدیت اور افادیت کے قائل تھے اور شعر و ادب میں یہ خوبی اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب ادیب یا شاعر خلوص، دردمندی اور صداقت کے ساتھ اپنے جذبات و خیالات اور تجربات و مشاہدات کو پیش کرے۔ بقول حالؔی:

> ’’جو لوگ تصنیف کے درد سے آگاہ ہیں وہ جانتے ہیں کہ کلام میں لذّت اور مقبولیت پیدا نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کے ایک ایک لفظ میں خون جگر کی چاشنی نہ ہو۔‘‘

مندرجہ بالا اقتباس سے حالؔی کے نظریۂ شعر و ادب اور ان کی شاعری کی خوبیوں کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ حالؔی کی نظم نگاری میں حقیقت پسندی کے ساتھ ساتھ وطنی اور قومی تصورات بھی بدرجہ اتم موجود ہیں۔ حالؔی نے انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر نظمیں لکھیں۔ حالؔی کی شخصیت وسیع اور ہمہ گیر افکار و خیالات کی حامل ہے اور ان کا تجربہ و مشاہدہ عمیق ہے۔ وہ پوری گہرائی اور گیرائی کے ساتھ سماجی و معاشرتی مسائل کی حقیقی عکاسی کرتے ہیں۔ سماجی، سیاسی، معاشرتی اور اخلاقی مسائل ان کی نظموں کے اہم موضوعات ہیں۔

حالؔی کی شاعری کا سب سے بڑا جوہر سادگی، سلاست اور روانی ہے۔ ان کے کلام میں سوز و گداز، متانت، صداقت اور دردمندی جا بجا موجود ہے۔ حالؔی نے عام فہم اور سادہ تشبیہات و استعارات کا اپنے کلام میں استعمال کیا ہے اور یہی خوبیاں ان کے کلام کے حسن کو دوبالا کرتی ہیں اور ان کی شاعری عوام کے دلوں کو چھوتی اور ان پر اثر کرتی ہے۔

حالؔی بلاشبہ ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے جنھوں نے شعر و ادب کے وسیلے سے قوم اور معاشرے کی فلاح و بہبود کا کارنامہ انجام دیا۔ اپنے افکار و خیالات اور وسیع النظری سے نئے امکانات و رجحانات اور معاصر زندگی کے تقاضوں پر روشنی ڈالی۔ حالؔی کی شاعری اپنی معنویت اور صداقت کی وجہ سے آفاقی اقدار کی حامل ہے۔

اپنی معلومات کی جانچ:

۱۔ حالؔی کی طویل نظم ’مدوجزر اسلام‘ اور کس نام سے مشہور ہے؟

۲۔حالؔی کے نزدیک شعر میں کیا خوبیاں ہونی چاہیے؟

۳۔حالؔی نے کس کی فرمائش پر’مسدّس حالؔی‘ لکھا؟

2.4 ’’انتخاب مسدّس حالؔی‘‘

2.4.1 متن

جنھوں نے کہ تعلیم کی قدر و قیمت　　　　نہ جانی مسلّط ہوئی اُن پہ ذلّت
ملوک اور سلاطین نے کھوئی حکومت　　　　گھرانوں پہ چھائی امیروں کے نکبت
رہے خاندانی نہ عزت کے قابل
ہوئے سارے دعوے شرافت کے باطل

نہ چلتے ہیں واں کام کاریگروں کے　　　　نہ برکت ہے پیشے میں پیشہ وروں کے
بگڑنے لگے کھیل سودا گروں کے　　　　ہوئے بند دروازے اکثر گھروں کے
کماتے تھے دولت جو دن رات بیٹھے
وہ ہیں اب دھرے ہات پر ہات بیٹھے

ہنر اور فن واں ہیں سب گھٹتے جاتے　　　　ہنر مند ہیں روز و شب گھٹتے جاتے
ادیبوں کے فضل و ادب گھٹتے جاتے　　　　طبیب اور اُن کے مطب گھٹتے جاتے
ہوئے پست سب فلسفی اور مناظر
نہ ناظم ہیں سر سبز اُن کے نہ ناثر

اگر اک پہننے کو ٹوپی بنائیں　　　　تو کپڑا وہ اک اور دنیا سے لائیں
جو سینے کو وہ ایک سوئی منگائیں　　　　تو مشرق سے مغرب میں لینے کو جائیں
ہراک شے میں غیروں کے محتاج ہیں وہ
مکنیکس کی رو میں تا راج ہیں وہ

نہ پاس اُن کے چادر نہ بستر ہے گھر کا　　　　نہ برتن ہیں گھر کے نہ زیور ہے گھر کا
نہ چاقو نہ قینچی نہ نشتر ہے گھر کا　　　　صراحی ہے گھر کی نہ ساغر ہے گھر کا

کنول مجلسوں میں قلم دفتروں میں
اثاثہ ہے سب عاریت کا گھروں میں

جو مغرب سے آئے نہ مال تجارت   تو مر جائیں بھوکے وہاں اہل حرفت
ہو تجّار پر بند راہِ معیشت   دکانوں میں ڈھونڈی نہ پائے بضاعت

پرائے سہارے ہیں بیو پارواں سب
طفیلی ہیں سیٹھ اور تجّارواں سب

یہ ہیں ترک تعلیم کی سب سزائیں   وہ کاش اب بھی غفلت سے باز اپنی آئیں
مبادارہِ عافیت پھر نہ پائیں   کہ ہیں بے پناہ آنے والی بلائیں

ہوا بڑھتی جاتی سرِ رہ گذر ہے
چراغوں کو فانوس بن اب خطر ہے

لیے فرد بخشی دوراں کھڑا ہے   ہر اک فوج کا جائزہ لے رہا ہے
جنھیں ماہر اور کرتبی دیکھتا ہے   انھیں بخشتا تیغ و طبل ولوا ہے

پہ ہیں بے ہنر یک قلم چھٹتے جاتے
رسالوں سے نام اُن کے ہیں کٹتے جاتے

بس علم و فن کے وہ پھیلاؤ ساماں   کہ نسلیں تمھاری بنیں جن سے انساں
غریبوں کو راہِ ترقی ہو آساں   امیروں میں ہو نور تعلیم تاباں

کوئی ان میں دنیا کی عزت کو تھامے
کوئی کشتیِ دین و ملت کو تھامے

بنے قوم کھانے کمانے کے قابل   زمانے میں منھ کو دکھانے کے قابل

سمجھنے لگیں اپنے سب نیک و بد وہ
لگیں کرنے آپ اپنی مدد وہ

کرو قدر اُن کی ہنر جن میں پاؤ   ترقی کی اور اُن کو رغبت دلاؤ
دل اور حوصلے ان کے مل کر بڑھاؤ   ستوں اس کھنڈر گھر کے ایسے بناؤ

کوئی قوم کی جن سے خدمت بن آئے
بٹھائیں انھیں سر پہ اپنے پرائے

کروگے اگر ایسے لوگوں کی عزّت
تو پاؤگے اپنے میں تم اک جماعت
بڑھائے گی جو قوم کی شان و شوکت
گھرانوں میں پھیلائے گی خیر و برکت

مدد جس قدر تم سے وہ آج لے گی
عوض تم کو کل اُس کا دہ چند دے گی

ترقی کے یوناں کے اسباب کیا تھے
ہنر پر جہاں پیر و برنا فدا تھے
تمدّن کے میداں میں زور آزما تھے
وطن کی محبت میں یکسر فنا تھے

مقاصد بڑے اور ارادے تھے عالی
نہ تھا اس سے چھوٹا بڑا کوئی خالی

سبب کچھ نہ تھا اس کا جز قدر دانی
کہ ہوتے تھے جو علم و حکمت کے بانی
ترقی میں کرتے تھے جو جاں فشانی
حیات اُن کو ملتی تھی واں جاودانی

وطن جیتے جی اُن پہ قرباں تھا سارا
پس از مرگ پجتے تھے وہ آشکارا

اسی گُر نے تھا جوش سب کو دلایا
کہ تھا اک جزیرے نے رُتبہ یہ پایا
اسی شوق نے تھا دلوں کو بڑھایا
اسی نے تھا یوناں کو یوناں بنایا

اس اُمید پر کوششیں تھیں یہ ساری
کہ ہو قوم کے دل میں عظمت ہماری

جنھیں ملک میں اپنی رکھنی ہو رفعت
جنھیں سلطنت کی ہو مطلوب قربت
جنھیں تھا منی ہو گھرانے کی عزّت
جنھیں دین کی ہو نہ منظور ذلّت

جنھیں نسل و اولاد ہو اپنی پیاری
اُنھیں فرض ہے قوم کی غم گساری

بہت دل ہیں نرم ان دنوں ہوتے جاتے
کہ حالت پہ ہیں قوم کی اُمڈے آتے

تنزل پہ ہیں اُس کے آنسو بہاتے نہیں آپ کچھ کرکے لیکن دکھاتے
خبر بھی ہے دل اُن کے جلتے ہیں کس پر
وہ ہیں آپ ہی ہات ملتے ہیں جس پر

رئیسوں کی جاگیر داروں کی دولت فقیہوں کی دانش وروں کی فضیلت
بزرگوں کی اور واعظوں کی نصیحت ادیبوں کی اور شاعروں کی فصاحت
جچے تب کچھ آنکھوں میں اہلِ وطن کے
جو کام آئے بہبود میں انجمن کے

جماعت کی عزّت میں ہے سب کی عزّت جماعت کی ذلّت میں ہے سب کی ذلّت
رہی ہے نہ ہرگز رہے گی سلامت نہ شخصی بزرگی، نہ شخصی حکومت
وہی شاخ پھولے گی یاں اور پھلے گی
ہری ہوگی جڑ اس گلستاں میں جس کی

ذخیرہ ہے جب چیونٹا کوئی پاتا تو بھاگا جماعت میں ہے اپنی آتا
اُنھیں ساتھ لے لے کے ہے یاں سے جاتا فتوح اپنی ایک ایک کو ہے دکھاتا
سدا اُن کے ہیں اس طرح کام چلتے
کمائی سے ایک ایک کی لاکھوں ہیں پلتے

جب اِک چیونٹا جس میں دانش نہ حکمت بنی نوع کی اپنے برلائے حاجت
معیشت سے ایک ایک کو بخشے فراغت کرے اُن پہ وقف اپنی ساری غنیمت
تو اس سے زیادہ ہے بے غیرتی کیا
کہ ہو آدمی کو نہ پاس آدمی کا

غضب ہے کہ جو نوع ہو سب سے برتر گنے آپ کو جو کہ عالم کا سرور
فرشتوں سے جو سمجھے اپنے کو بڑھ کر خدا کا بنے جو کہ دنیا میں مظہر
نہ ہو مردمی کا نشاں اُس میں اتنا
مسلم ہے مٹی کے کیڑوں میں جتنا

الٰہی بحقِ رسولِ تہامی ہر ایک فرد انساں کا تھا جو کہ حامی
جسے دور و نزدیک تھے سب گرامی برابر تھے مکّی و زنگی و شامی
شریروں کو ساتھ اپنے جس نے نباہا
بُروں کا ہمیشہ بھلا جس نے چاہا

طفیل اُس کا اور اس کی عزّت کا یا رب پکڑ ہات جلد اُس کی اُمّت کا یا رب
اک ابر اس پہ بھیج اپنی رحمت کا یا رب غبار اس سے جو دھو دے ذلّت کا یا رب
کہ ملّت کو ہے ننگ ہستی سے اُس کی
ہوا پست اسلام پستی سے اُس کی

بچا اُن کو اس تنگنائے بلا سے کہ رستہ ہو گم رہر و رہنما سے
نہ اُمید یاری ہو یار آشنا سے نہ چشم اعانت ہو دست و عصا سے
چپ و راست چھائی ہوئی ظلمتیں ہوں
دلوں میں اُمیدوں کی جا حسرتیں ہوں

اُنھیں کل کی فکر آج کرنی سکھا دے ذرا اُن کی آنکھوں سے پردہ اُٹھا دے
کمیں گاہِ بازی دوراں دکھا دے جو ہونا ہے کل آج اُن کو سجھا دے
چھتیں پاٹ لیں تا کہ باراں سے پہلے
سفینہ بنا رکھیں طوفاں سے پہلے

2.4.2 تشریح ''انتخاب مسدّس حاؔلی''

خواجہ الطاف حسین حاؔلی کی مشہور و معروف نظم ''مدوجزر اسلام'' یا ''مسدّس حاؔلی'' ہے۔ انتخاب ''مسدّس حاؔلی'' میں انھوں نے قوم وملّت کی فلاح و بہبود اور ترقی کے لیے علم و ہنر کے حصول اور اس کی اہمیت وافادیت کو اجاگر کیا ہے۔ یہ نظم مسدّس کی ہیئت میں ہے۔

پہلے بند میں حاؔلی نے تعلیم کی قدر و قیمت کو واضح کیا ہے کہ جو لوگ تعلیم کی قدر نہیں جانتے، ذلّت اور رسوائی ان پر مسلّط ہو جاتی ہے۔ علم و ہنر کی عدم موجودگی میں بادشاہوں نے حکومتیں گنوا دیں۔ امیروں کے گھروں میں نحوست چھا

گئی۔ جو لوگ خاندانی تھے اپنے حسب ونسب پر فخر کرتے تھے، ان کی شرافت کے سارے دعوے علم وہنر نہ ہونے کی وجہ سے جھوٹے ثابت ہوئے۔

دوسرے بند میں حالؔی عصری زندگی کے تقاضوں کے تحت یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اب تعلیم کے بغیر کسی بھی پیشے میں خواہ وہ کاریگری ہو، سوداگری ہو یا کوئی اور کاروبار، زندگی میں کامیابی نہیں مل سکتی۔ جن کے پاس کبھی دولت ہوا کرتی تھی وہ عصرِ حاضر میں اب بے کار اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔

تیسرے بند میں حالؔی تعلیم کی ناقدری کے بُرے اثرات کا ذکر کرتے ہیں کہ اب ہنر وفن کے ماہر روز بروز کم ہو رہے ہیں۔ طبیبوں کے مطب اور ادیبوں کی علمیت اور فضیلت گھٹتی جا رہی ہے۔ جو لوگ فلسفے اور مناظرے میں چست درست تھے وہ بھی اب پست ہو گئے ہیں۔ نہ نظم کہنے والے بچے ہیں اور نہ نثر لکھنے والے۔

چوتھے بند میں حالؔی نے قوم کی محتاجی کا ذکر کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ ہم ایک ٹوپی بھی غیروں کی مدد کے بغیر نہیں بنا سکتے۔ ہم روزمرہ زندگی میں کام آنے والی چھوٹی چیز کے لیے مغرب یعنی ترقی یافتہ قوموں کے محتاج ہو گئے ہیں۔ تعلیم کی ناقدری نے ہماری صنعت وحرفت اور ہماری مہارت کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔

پانچویں بند میں شاعر کہتا ہے کہ قوم کی تباہی و بربادی کا عالم یہ ہے کہ روزمرّہ کی ضرورتوں کے ہر سامان کے لیے ہم دوسروں کے محتاج ہیں اور ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں۔ قوم کے پاس جو بھی ساز وسامان ہے وہ غیروں سے مستعار ہے۔

چھٹے بند میں شاعر کہتا ہے کہ اگر مغربی ممالک سے مال تجارت نہ آئے تو کاریگر بھوکوں مر جائیں، تاجروں کی مالی حالت خراب ہو جائے۔ دکانوں کی پونجی ختم ہو جائے۔ یہاں سارا نظام غیروں کے سہارے ہے۔ یہاں امیر اور تاجر بھی غیروں کے ہی محتاج ہیں۔

ساتویں بند میں حالؔی کہتے ہیں کہ قوم کی بدحالی اور تباہی کی بنیادی وجہ ترکِ تعلیم اور علم وہنر کی ناقدری ہے۔ اگر قوم اب بھی خوابِ غفلت سے بیدار نہیں ہوئی تو شاید پھر اسے آرام اور سکون نصیب نہ ہوگا کیوں کہ مستقبل میں اور بھی سخت منزلیں آنے والی ہیں۔

آٹھویں بند میں شاعر کہتا ہے کہ وقت کا سپاہی رجسٹر ہاتھ میں لیے ہر ایک قوم کا جائزہ لے رہا ہے۔ یعنی سیاسی و سماجی تغیرات میں وہی قوم قدر ومنزلت حاصل کرے گی جو علم وفن سے بہرہ ور ہوگی اور وہی قوم دنیا پر حکومت کرے گی۔ جو قوم خوابِ غفلت میں علم وفن سے کنارہ کشی اختیار کرے گی اسے ذلّت اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا اور ان کا کوئی

نام لیوانہیں رہے گیا۔

نویں بند میں حالؔی نے قوم کومخاطب کرتے ہوئے انھیں علم وفن کے حصول کی ترغیب دی ہے تاکہ آنے والی نسلیں اس سے آراستہ ہوکر ترقی کرسکیں۔غربت وافلاس کا خاتمہ ہواور امیروں کے یہاں بھی علم کی روشنی پھیلے۔قوم و ملّت علم و ہنر کے اکتساب کے ذریعے ہی ترقی ، بلندی اخلاق اور اعلیٰ کردار پیدا کرے تاکہ اسے دین اور دنیا میں بلند مرتبہ حاصل ہو۔

دسویں بند میں شاعر کہتا ہے کہ اگر قوم علم وفن کی روشنی سے مزین ہو جائے تو اسے اقوام کے مابین عزت و احترام حاصل ہو۔وہ ترقی یافتہ قوموں کے شانہ بشانہ چلنے کے قابل ہو سکے۔اُسے آدمیت کا خطاب میسر ہو۔اس کے اندر اچھے اور برے کی تمیز پیدا ہواور وہ خود اپنی مدد آپ کرنے کے قابل ہو جائے۔

گیارہویں بند میں حالؔی کہتے ہیں کہ ہمیں ہنر مند افراد کی قدر کرنی چاہیے۔انھیں مزید ترقی حاصل کرنے کے لیے راغب کرنا چاہیے۔مل جل کر ان کا حوصلہ بڑھانا چاہیے۔جولوگ قوم وملّت کی خدمت کرتے ہیں انھیں اپنے اور غیر سبھی عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

بارہویں بند میں حالؔی کہتے ہیں کہ اگر ہم علم وفن سے آراستہ افراد کی عزت اور قدر کریں گے تو ہمارے درمیان آہستہ آہستہ اتفاق واتحاد پیدا ہوگا ،ایک جماعت بنے گی جو قوم کی شان وشوکت بڑھانے اور گھروں میں خیر و برکت کے لیے معاون ثابت ہوگی اور اس کا فائدہ آنے والی نسلیں بھی اُٹھائیں گی۔

تیرہویں بند میں شاعر نے یونانی تہذیب وتمدن کی برتری اور ترقی کی طرف اشارہ کیا ہے اور سوال قائم کیا ہے کہ آخر یونان کی ترقی کے اسباب کیا تھے اور جواب میں کہتے ہیں کہ وہاں خواہ بوڑھا ہو یا نوجوان، ہر فرد علم و ہنر پر فدا تھا۔اسے حاصل کرنے کے لیے کوشاں تھا اپنی تہذیب وتمدّن کی برتری کا خواہاں تھا۔وطن کی محبت میں خود کو نچھاور کرنے کے لیے تیار تھا۔ان کے مقاصد عظیم اور دلوں میں مضبوط اور اعلیٰ ارادے تھے جن میں چھوٹا بڑا ہر فرد شامل تھا۔

چودہویں بند میں حالؔی یونان کی ترقی پر مزید فرماتے ہیں کہ اس ملک کی ترقی کا راز اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہاں علم وحکمت کے ماہر افراد کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔جولوگ ملک کی ترقی اور خوش حالی میں خون پسینہ بہاتے تھے انھیں حیات جاودانی ملتی تھی۔ان کی زندگی میں قوم ان پر جان نچھاور کرتی تھی اور ان کی موت کے بعد بھی ان پوچا کی جاتی تھی۔ان کے کارناموں کو یاد کیا جاتا تھا۔

پندرہویں بند میں حالؔی کہتے ہیں کہ ترقی اور خوش حالی کا یہی وہ طریقہ تھا جس نے ہر فرد کے دل میں جوش و

جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ وطن کی عظمت اور ترقی کے اس شوق نے یونان کو یونان بنایا تھا۔ قوم کے دل میں اپنی عظمت بیدار کرنے اور حیات جاودانی حاصل کرنے کے لیے ہر فرد کوشاں تھا جو یونان کی ترقی کا بنیادی سبب تھا۔

سولھویں بند میں حالؔی فرماتے ہیں کہ جو لوگ ملک میں بلندی پر پہنچنا چاہتے ہیں اور جو حکومت میں عمل دخل چاہتے ہیں جو اپنے خاندان کی عزت کے خواہاں ہیں اور جنھیں دین کی ذلت اور رسوائی منظور نہیں ہے۔ جو اپنی نسل اور اولاد سے محبت کرتے ہیں، ان کے لیے لازم ہے کہ وہ قوم کے دکھ درد اور اس کی ضرورتوں اور تقاضوں کو سمجھیں۔

سترہویں بند میں حالؔی نے قوم کی بدحالی اور تنزلی پر دل بھر آنے اور مغموم ہونے کا ذکر کیا ہے اور کہتے ہیں کہ اس ناگفتہ بہ صورتحال میں بھی قوم عملی تدبیر سے دور ہے۔ صرف آنسو بہانے اور رنج و افسوس سے قوم کی بدحالی ختم نہیں ہوگی بلکہ قوم کو اس مصیبت سے باہر نکالنے کے لیے عملی جدوجہد کی ضرورت ہے۔

اٹھارہویں بند میں حالؔی کہتے ہیں کہ رئیسوں اور جاگیرداروں کی دولت، عالموں اور دانشوروں کی بزرگی اور برتری، بزرگوں اور واعظوں کی نصیحت، ادیبوں اور شاعروں کی شیریں کلامی اگر وطن کے لوگوں کی فلاح و بہبود میں کام آ سکے تبھی اس کی اہمیت اور افادیت ہے۔

انیسویں بند میں حالؔی کہتے ہیں کہ اتحاد و اتفاق ہی قوم کی سربلندی کا سبب ہے اور آپسی نقاق سے ذلت اور رسوائی ملتی ہے کیوں کہ شخصی بزرگی اور شخصی حکومت کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ دنیا میں وہی قوم سرفراز و سربلند ہوگی جو اتحاد و اتفاق کے ساتھ ترقی کی راہ پر گامزن ہوگی۔

بیسویں بند میں حالؔی نے اخلاق آموز نصیحت کی ہے کہ جب ایک چیونٹا کوئی ذخیرہ دیکھتا ہے تو پہلے جا کر اپنی جماعت میں بتاتا ہے۔ پھر سب کو ساتھ لے کر وہاں جاتا ہے اور اپنی کامیابی پر خوش ہوتا ہے۔ ایک چیونٹا کوئی کھانے کا ذخیرہ تلاش کرتا ہے اور سب اسے مل بانٹ کر کھاتے ہیں۔ ان کا ہمیشہ اسی طرح کام چلتا رہتا ہے۔

اکیسویں بند میں حالؔی اس اخلاقی نصیحت کو آگے بڑھاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک چیونٹا جس کے اندر نہ دانش ہے اور نہ حکمت۔ اس کے باوجود وہ اپنی جماعت کی حاجت پوری کرتا ہے۔ اس کی کامیابی سے پوری جماعت کو آرام نصیب ہوتا ہے۔ وہ اپنی دولت سب پر نچھاور کرتا ہے۔ انسان جو اشرف المخلوقات ہے اس کے لیے اس سے زیادہ بے حسی اور بے غیرتی کی بات کیا ہو سکتی ہے کہ آدمی کو آدمی کا لحاظ اور اس کی ضرورتوں اور حاجتوں کا خیال نہ ہو۔

بائیسویں بند میں حالؔی نے انسان کے اشرف المخلوقات ہونے پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ انسان جو تمام جانداروں میں برتر، پوری دنیا کا حاکم، فرشتوں سے بڑھ کو اور دنیا میں جو خدا کا مظہر بنتا ہے اس میں مٹی کے کیڑوں جتنی

بھی بہادری اور فیاضی نہیں ہے کہ وہ اشرف المخلوقات ہونے کا فرض ادا کر سکے۔

تیئیسویں بند میں حالؔی نے محمدؐ کے حسن اخلاق کا ذکر کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ محمدؐ ہر انسان کے حامی و مددگار تھے۔ انھوں نے اپنے اور پرائے میں کبھی کوئی فرق نہیں کیا اور جن کے نزدیک دنیا کا ہر شخص خواہ وہ کسی ملک، قوم، رنگ یا نسل کا ہو، برابر تھا۔ جس نے شریر لوگوں کے ساتھ بھی نباہ کیا اور بُرے لوگوں کا بھی ہمیشہ بھلا چاہا۔

چوبیسویں بند میں حالؔی فرماتے ہیں کہ اے خدا تو محمدؐ کے صدقے میں ان کی اُمت کو صحیح راستہ دکھا۔ اپنی رحمت کا ایک ابر بھیج دے تا کہ مسلمانوں کی بدحالی اور ذلّت کا خاتمہ ہو۔ کیوں کہ مسلمانوں کی زبوں حالی، قوم و ملّت کی بدنامی کا سبب ہے اور اسلام بھی مسلمانوں کی تباہی اور بربادی سے پست ہے۔

پچیسویں بند میں شاعر پھر خدا سے مخاطب ہے اور کہتا ہے کہ اے خدا تو مسلمانوں کو تباہ و برباد ہونے سے بچا لے کیوں کہ نہ ان کا کوئی قائد ہے اور نہ رہبر۔ اب کوئی اُمید باقی نہیں بچی ہے۔ ان کے دائیں بائیں چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے اور دلوں میں حسرتیں ہیں۔ اب صرف ایک تیری ہی ذات ہے جو انھیں اس تنزلی اور مصیبت سے باہر نکال سکتی ہے۔

چھبیسویں اور آخر بند میں حالؔی خدا سے مخاطب ہیں اور دُعا کرتے ہیں کہ اے خدا تو مسلمانوں میں مستقبل کی فکر پیدا کر دے۔ انھیں خواب غفلت سے بیدار کر دے۔ زمانے کے تغیرات اور بدلتے ہوئے حالات ان پر واضح کر دے تا کہ مستقبل میں آنے والی کٹھن منزلوں سے وہ آشنا ہو جائیں اور اس سے مقابلہ کرنے کے لیے خود کو تیار کرنے کی کوشش کریں اور طوفان کی آمد سے پہلے اپنی کشتی بنالیں۔

2.4.3 ''انتخاب مسدّس حالؔی'' کا تجزیہ

''مسدّس حالؔی'' یا نظم ''مد و جزر اسلام'' خواجہ الطاف حسین حالؔی کی شہرہ آفاق نظم ہے۔ یہ ایک طویل نظم ہے جو مسدّس کی ہیئت میں لکھی گئی ہے۔ 1857ء کے انقلاب کے بعد ہندوستانی عوام خصوصاً مسلمانوں کی زبوں حالی اپنے عروج پر تھی۔ مسلمان زندگی کے ہر شعبے میں پچھڑے ہوئے تھے۔ ان کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ ایسے پر آشوب دور میں سر سید نے مسلمانوں کو تباہی و بربادی سے بچانے کے لیے تعلیمی، معاشرتی اور سماجی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ انھوں نے قوم و ملّت کی تاریخ، تہذیب و معاشرت، مذہب و سیاست کے علاوہ شعر و ادب کو بھی اس اصلاحی مشن کا حصّہ بنایا۔ شعر و ادب کی افادیت اور مقصدیت پر زور دیا۔ حالؔی سر سید کے ہم نوا اور سچّے رفیق تھے۔ قوم کی ناگفتہ بہ حالت نے ان کے اندر

بے چینی پیدا کر رکھی تھی۔ لہٰذا سرسید کی فرمائش پر انھوں نے ایک طویل نظم 'مدوجزر اسلام' لکھی جو 'مسدّس حالؔی' کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس نظم میں اسلام کی آمد سے قبل عرب قوم کی جاہلیت اور بربریت، طلوع اسلام کے بعد کی صورتحال نیز مسلمانوں کی ترقی اور پھر زمانے کے تغیرات کے ساتھ مسلمانوں کی زبوں حالی کو پیش کیا گیا ہے۔ یہ نظم 1857ء کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کی زبوں حالی اوران کی اصلاح کے پس منظر میں لکھی گئی ہے۔ حالؔی کی اس نظم نے ہندوستانی مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار ہونے، غوروفکر کرنے، ماضی کی شاندار روایتوں سے سبق حاصل کر کے زندگی کی دوڑ میں آگے بڑھنے اور جوش وجذبہ اور نیا حوصلہ پیدا کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

اس نظم میں حالؔی کا قومی وملّی شعور اپنے عروج پر ہے۔ انھوں نے نہایت سنجیدگی، متانت، صداقت اور خلوص و دردمندی کے ساتھ اپنے جذبات وخیالات کا اظہار کیا ہے۔ سرسید ''مسدّس حالؔی'' سے بے حد متاثر تھے۔ بقول سرسید:

''بے شک میں اس کا محرک ہوا ہوں اور اس کو میں اپنے اعمال حسنہ میں سے سمجھتا ہوں کہ جب خدا پوچھے گا تو دنیا سے کیا لایا؟ میں کہوں گا میں حالؔی سے ''مسدّس'' لکھوا کر لایا ہوں اور کچھ نہیں۔''

''انتخاب مسدّس حالؔی'' میں حالؔی نے قوم وملّت اور اہل وطن کی ترقی اور فلاح کے لیے علم وفن کی اہمیت اور افادیت کو اخلاق آموز باتوں اور مثالوں کے ذریعے واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ خلوص اور دردمندی ان کے کلام میں بدرجہ اتم موجود ہے۔

حالؔی نے انتخاب مسدّس میں اس حقیقت کو آشکارا کرنے کی کوشش کی ہے کہ جو قوم تعلیم کی قدر و قیمت نہیں جانتی اور اس سے کنارہ کشی اختیار کرتی ہے اسے ذلّت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور زندگی کے ہر موڑ پر اسے ناکامی اور نامرادی حاصل ہوتی ہے۔

حالؔی نے اس بات پر زور دیا ہے کہ ترک تعلیم ہی کی وجہ سے اہل وطن ترقی یافتہ اقوام کے محتاج ہو گئے ہیں اور اپنی ہر چھوٹی بڑی ضرورت کے لیے دوسروں کی طرف مُنھ اُٹھا کر دیکھتے ہیں۔ جو قوم وقت اور زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہوتی، ذلّت اور تنزلی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

یہ نظم حالؔی کے وطنی، قومی، سماجی اور سیاسی شعور کا بین ثبوت ہے۔ اس نظم کی معنویت آفاقی حیثیت کی حامل ہے۔ اس نظم نے اردو شاعری کے لیے نئے معیار اور نئی سمت کا تعین کیا جس سے اردو نظم نگاری کو وسعت ملی۔ اس نظم کی افادیت اور خصوصیت کے متعلق رام بابو سکسینہ رقم طراز ہیں:

''یہ ایک الہامی کتاب ہے۔اس کو تاریخ ارتقائے ادب اردو میں ایک سنگ نشان سمجھنا چاہیے۔ یہ ایک تارا ہے جو اردو کے افق شاعری پر طلوع ہوا۔اس سے ہندوستان میں قومی اور وطنی نظموں کی بنیاد پڑی۔انتخاب مسدّس حالؔی کے اشعار مسلمانوں کی تنزلی کے اسباب کو صداقت اور حقیقت پسندی کے ساتھ اجاگر کرتے ہیں۔ جذبہ وخیال میں خلوص وصداقت اور دل گدازی ہی اس نظم کی اثر آفرینی کا بنیادی سبب ہے۔''

حالؔی عملی جدو جہد اور آپسی اتحاد واتفاق کو قوم کی بھلائی اور ترقی کے لیے اہم قرار دیتے ہیں۔عملی زندگی میں ہر سطح پر مسلمانوں کی بے عملی، لاپرواہی اور بے حسی ان کی رسوائی اور بربادی کی بنیادی وجہ تھی۔حالؔی نے 'انتخاب مسدّس' میں اخلاق آموز باتوں اور ترقی یافتہ قوموں کی برتری اور ترقی کے اسباب بتا کر مسلمانوں کو راہ راست پر لانے اور عملی جدو جہد کی طرف راغب کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس کائنات میں انسان کو اشرف المخلوقات کی حیثیت حاصل ہے اور حالؔی چاہتے ہیں کہ انسان اپنے عمل، حسن اخلاق اور اعلیٰ کردار سے اس کا ثبوت فراہم کرے۔حالؔی نے محمدؐ کی سیرت کے وسیلے سے مسلمانوں کو ان کے دینی اور دنیاوی فرائض یاد دلانے کی کوشش کی ہے تا کہ سماج ومعاشرے میں وہ قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جائیں اور کامیابی و کامرانی سے ہمکنار رہوں۔

حالؔی نے اس شاہکار نظم میں مسلمانوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ علم و ہنر ہی وہ ذریعہ ہے جس سے آراستہ ہو کر قوم وملّت میں اتحاد پیدا ہوسکتا ہے، وہ ترقی کے راستے پر قدم بڑھا سکتی ہے اور اس کے اندر بلندی اخلاق اور اعلیٰ کردار پیدا ہو سکتے ہیں۔ان خوبیوں کے ساتھ قوم عصری تقاضوں کے مطابق خود کو ڈھال سکتی ہے اور ایک زندہ قوم ہونے کا ثبوت پیش کر سکتی ہے۔

'انتخاب مسدّس حالؔی' میں عام فہم الفاظ میں سادگی، سلاست، روانی، صداقت، خلوص اور درمندی کے ساتھ حالؔی نے حالات ومسائل پر روشنی ڈالی ہے۔اس نظم میں قوم کی اصلاح کا جذبہ پوری طرح کارفرما ہے۔

'مسدّس حالؔی' اپنی معنویت اور جذبہ وخلوص کی صداقت کی بنا پر آج بھی اہمیت کی حامل ہے اور اس کی یہی خوبی اس کی آفاقیت اور عالم گیر شہرت کا واضح ثبوت ہے۔یہ نظم فکر وفن کا حسین امتزاج ہے۔

2.5 خلاصہ

خواجہ الطاف حسین حالؔی اردو شعر و ادب میں ممتاز اور منفرد مقام رکھتے ہیں۔ وہ نہ صرف بلند پایہ شاعر، نثر نگار، نقاد اور سوانح نگار تھے بلکہ مصلح قوم بھی تھے۔ وہ ایک واضح سماجی و سیاسی شعور رکھتے تھے جس کی روشنی میں انھوں نے اپنے عہد کے حالات و مسائل کی عکاسی خلوص، دردمندی اور حقیقت پسندی کے ساتھ کی ہے۔ حالؔی کا شمار قومی اور نیچرل شاعری کے بانیوں میں ہوتا ہے۔

حالؔی 1837ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ بچپن سے ہی انھیں مطالعے کا شوق تھا اور دلّی آنے کے بعد انھیں مصطفیٰ علی خاں شیفتؔہ اور غالبؔ کی صحبت میں رہنے کا موقع ملا اور ان کے ادبی ذوق و شوق کی آبیاری ہوئی۔ سرسید کی ہم نوائی میں انھوں نے شاعر، ادیب اور مصلح کی حیثیت سے جو کارنامے اور خدمات انجام دیں وہ ناقابل فراموش ہیں۔

جدید اردو نثر کو پروان چڑھانے میں بھی حالؔی نے اہم کردار ادا کیا۔ 'مقدمہ شعر و شاعری' تصنیف کر کے انھوں نے اردو تنقید کو نئی راہ دکھائی۔ 'مقدمہ شعر و شاعری' اردو تنقید کی تاریخ میں بنیادی حیثیت کی حامل ہے۔ حیات سعدی (شیخ سعدی)، یادگار غالبؔ (مرزا غالبؔ) اور حیات جاوید (سرسید احمد خاں)، حالؔی کی اہم سوانحی تصانیف ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے شخصی مرثیے بھی لکھے جن میں غالبؔ کا مرثیہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے۔

حالؔی شعر و ادب کی مقصدیت اور افادیت کے حامی تھے۔ انھوں نے اپنی تخلیقات کے ذریعے قوم کو صحیح راستہ دکھانے کی کوشش کی۔ انسان دوستی، قوم پرستی، خودداری، صداقت و خلوص اور حقیقت پسندی ان کی تخلیقات کی بنیادی خصوصیات ہیں۔

حالؔی کی زبان سادہ، سلیس اور رواں دواں ہے۔ انھوں نے عام فہم انداز میں اپنے جذبات و احساسات اور تجربات و مشاہدات کو شعر و ادب میں پیش کیا ہے۔ قومی، اخلاقی اور اصلاحی موضوعات پر انھوں نے کئی اہم نظمیں لکھی ہیں۔ اس ضمن میں 'مسدّس حالؔی' (مدوجزر اسلام)، مناجات بیوہ، حب وطن، مناظرہ رحم و انصاف، چپ کی داد، مٹی کا دیا وغیرہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

مولانا حالؔی بلاشبہ ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں۔ انھوں نے اردو شعر و ادب کو نئی بلندیوں پر پہنچانے میں ناقابل فراموش کارنامے انجام دیے ہیں۔

2.6 نمونہ امتحانی سوالات

ا۔خواجہ الطاف حسین حالؔی کی زندگی کے حالات پر ایک مضمون قلم بند کیجیے؟

۲۔'انتخاب مسدّس حالؔی' کے پہلے تین بند کا تجزیہ پیش کیجیے؟

۳۔'انتخاب مسدّس حالؔی' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے؟

۴۔حالؔی کی شاعری کی اہم خصوصیات بیان کیجیے؟

2.7 فرہنگ

الفاظ	معنی
پیش خیمہ	کسی واقعہ کی تمہید، پیادہ
ممتاز	معزز، اعلیٰ، افضل
تگ ودو	دوڑ دھوپ، کوشش
پوشیدہ	چھپا ہوا
کلیدی	بنیادی
مشعل راہ	راہ کا چراغ، راستہ دکھانے والا
بالغ النظر	ذہین، تجربہ کار، سمجھ دار
ناگفتہ بہ	ناقابل بیان
شاہکار	سب سے بڑا کارنامہ
حساس	زیادہ محسوس کرنے والا
تغیرات	تغیر کی جمع ،تبدیلی
غم خوار	ہمدرد، دکھ درد میں شامل ہونے والا
آفاقی	ساری دنیا کا، عالم گیر
آفاقیت	ہر زمانے کا
حامل	بوجھ اٹھانے والا، کسی چیز کو لے جانے والا
مسلّط	سوار، قابض

سلاطین	سلطان کی جمع، بادشاہ
نکبت	نحوست، منحوس
ناثر	نثر لکھنے والا
تاراج	تباہ و برباد
کنول	روشنی کرنے والا شیشہ
اثاثہ	سامان، اسباب
عاریت	مانگا ہوا
حرفت	کاریگر
تجار	تاجر کی جمع
معیشت	روزگار، روزی
بضاعت	پونجی
ترک	چھوڑنا
مبادا	شاید
عافیت	آرام، سکون
فانوس	شمع دان، ایک طرح کی قندیل
فرد	رجسٹر، فہرست، ایک آدمی
بخشی دوراں	زمانے کا سپاہی
طبل	ڈھول
لوا	علم، جھنڈا
رغبت	خواہش
اسباب	سبب کی جمع، وجہ
پیر	بوڑھا
برنا	نوجوان

جاں فشانی	جی توڑ محنت
جاودانی	ہمیشگی
پس ازمرگ	مرنے کے بعد
آشکارا	ظاہر
گُر	طریقہ
عظمت	بڑائی، برتری
رفعت	بلندی
قربت	نزدیک
مطلوب	طلب کرنا، خواہش
غم گساری	غم خواری، ہمدردی
تنزل	زوال
فضیلت	بزرگی
فصاحت	شیریں کلامی
بہبود	بھلائی، فلاح
ذخیرہ	خزانہ، کسی چیز کا ڈھیر
فتوح	کامیابی
دانش	علم
حکمت	فلسفہ
غنیمت	دولت، مفت ملی ہوئی چیز
نوع	قسم
سرور	سردار
مظہر	ظاہر کرنے والا
مردمی	بہادری

مکّی	مکّہ کا رہنے والا
طفیل	ذریعہ، وسیلہ، بدولت
ننگ	بدنامی
یار آشنا	دوست
اعانت	مہربانی
عصا	لاٹھی
چپ وراست	بائیں دائیں
کمین گاہ	گھات کی جگہ
بازی دوراں	زمانے کا کھیل
باراں	بارش
سفینہ	کشتی، جہاز

2.8 سفارش کردہ کتابیں:

حالؔی بہ حیثیت شاعر — شجاعت علی سندیلوی

حالؔی اور نیا تنقیدی شعور — اختر انصاری

اردو ادب کی تنقیدی تاریخ — سید احتشام حسین

حالؔی: ایک عہد ساز فن کار — زرینہ عقیل

اکائی:3۔ اکبرالہ آبادی

ساخت:

3.1 اغراض ومقاصد
3.2 تمہید
3.3 اکبرالہ آبادی کا تعارف
3.3.1 حالات زندگی
3.3.2 شاعری کی خصوصیات
3.4 اکبرالہ آبادی کی نظم ''مستقبل''
3.4.1 متن
3.4.2 تشریح
3.4.3 تجزیہ
3.5 خلاصہ
3.6 نمونۂ امتحانی سوالات
3.7 فرہنگ
3.8 سفارش کردہ کتابیں

3.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی میں اکبرالہ آبادی کی زندگی کے حالات اوران کی شاعری بالخصوص نظم گوئی کی خصوصیات بیان کی گئی

ہیں اوران کی نظم ''مستقبل'' کی تشریح اوراس کا تجزیہ بھی کیا گیا ہے۔

اس اکائی کے مطالعے کی بعد طلبا سے توقع کی جاتی ہے کہ:

☆ اکبرالہ آبادی کی زندگی کے حالات اور شاعرانہ خصوصیات پر اظہار خیال کرسکیں۔

☆ اکبرالہ آبادی کی نظم ''مستقبل'' کی تشریح کرسکیں۔

☆ نظم ''مستقبل'' کا تجزیہ اور خلاصہ بیان کرسکیں۔

3.2 تمہید

اکبرالہ آبادی کو اردو نظم کی نشو نما اور فروغ میں منفرد مقام حاصل ہے۔ اکبر نے اردو نظم نگاری میں ایک نئے طرز یعنی طنزیہ ومزاحیہ شاعری کی بنیاد رکھی۔ انھوں نے طنز ومزاح کو سماج اور معاشرے کی اصلاح کا ذریعہ بنایا۔

اکبرالہ آبادی حالؔی اور شبلؔی کے ہم عصر تھے۔ یہ وہ دور تھا جب ہندوستانی عوام انگریزی حکومت کی بربریت اور جبر وظلم کے شکار تھے اور انگریز سماجی اور معاشی سطح پر ان کا ہر طریقے سے استحصال کر رہے تھے۔ مغربی تہذیب وتمدن آہستہ آہستہ مشرقی اقدار و روایات پر حاوی ہوتا جا رہا تھا۔ ان حالات میں ہندوستان کا تعلیم یافتہ اور دانشور طبقہ ہندوستانی عوام کی سماجی ومعاشرتی اصلاح کے لیے کوشاں تھا۔ سماج اور معاشرے میں ہر سطح پر اصلاحی تحریکیں چل رہی تھیں۔ مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے بھی سرسید اور ان کے رفقا اپنی کوششوں کا آغاز کر چکے تھے۔ اسی عہد میں اکبر نے اپنی شاعری کا آغاز کیا۔ وہ سرسید کے افکار ونظریات سے اتفاق نہیں رکھتے تھے۔ اکبر مغربی تہذیب اور مغربی تعلیم کے سخت مخالف تھے۔ انھوں نے اپنے ادبی نظریے سے سماج اور معاشرے کے حالات ومسائل کو سمجھنے اور پرکھنے کی سعی اور اپنی طنز وظرافت اور شاعرانہ تفکر سے قومی اور سماجی اصلاح کی کوشش کی۔ اردو نظم نگاری میں اکبرالہ آبادی ایک منفرد اسلوب کے بانی ہیں۔

3.3 اکبرالہ آبادی کا تعارف

3.3.1 حالات زندگی

طنزیہ ومزاحیہ شاعری میں امتیازی شان کے حامل اکبرالہ آبادی کا پورا نام سید اکبر حسین رضوی اور اکبر تخلص تھا۔ اکبر کی

پیدائش 16 نومبر 1846ء میں بارہ ضلع الہ آباد میں ہوئی۔ ان کے والد کا نام سید تفضّل حسین تھا۔ ابتدائی تعلیم گھر پر والد کی نگرانی میں ہوئی اس کے بعد پہلے مکتب گئے پھر ان کا داخلہ جمنا مشن اسکول میں ہوا۔ بچپن سے ہی انھیں پڑھنے کا شوق تھا۔ لیکن ان کی تعلیم کا سلسلہ بہت دیر تک جاری نہیں رہ سکا۔ 1857ء کے انقلاب کے بعد ہندوستان کے بدلے ہوئے سماجی وسیاسی ماحول میں انھیں تعلیم ترک کر کے چھوٹی موٹی ملازمتیں کرنی پڑیں۔ 1866ء میں انھوں نے مختاری کا متحان دیا اور اس میں کامیاب ہو کر نائب تحصیل دار کے عہدے پر فائز ہوئے۔ 1870ء میں انھیں ہائی کورٹ میں نوکری ملی۔ بچپن سے ہی انھیں تعلیم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا لہذا وکالت کی پڑھائی کرنے کے بعد کچھ دنوں تک وکالت کی اور پھر منصف اور سیشن جج بھی بنے۔ 1903ء تک وہ عدالت سے وابستہ رہے۔ اکبر کو زندگی کے آخری دور میں پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ 9 ستمبر 1921ء کو الہ آباد میں ان کی موت ہوئی اور یہیں دفن کیے گئے۔

اکبر بلا کے ذہین تھے اور انھیں بچپن سے ہی شاعری کا شوق تھا۔ شاعری کا آغاز روایتی انداز میں غزل گوئی سے کیا لیکن نظم گوئی میں طنز ومزاح کے بنیاد گزار کی حیثیت سے انھیں شہرت دوام حاصل ہوا۔ اکبر الہ آبادی شاعری میں غلام حسین وحید الہ آبادی کے شاگرد تھے۔ اکبر کی زندگی میں کلیات اکبر کی تین جلدیں شائع ہوئی تھیں۔ چوتھی جلد ان کے انتقال کے بعد پہلی بار 1948ء میں کراچی سے شائع ہوئی۔ اکبر نے اپنی طنزیہ ومزاحیہ شاعری کے ذریعے مغربی تعلیم اور تہذیب وتمدن کی اندھی تقلید پر چوٹ کی۔ وہ اسے ہندوستانی معاشرے کے لیے سودمند نہیں سمجھتے تھے۔

اپنی معلومات کی جانچ

۱۔ اکبر الہ آبادی کا پورا نام کیا تھا اور وہ کب پیدا ہوئے؟

۲۔ اکبر الہ آبادی کے والد کا کیا نام تھا؟

۳۔ اکبر کے ایک ہم عصر شاعر کا نام بتایئے؟

۴۔ اکبر کی وفات کب ہوئی؟

3.3.2 شاعری کی خصوصیات

اردو نظم نگاری کو ایک منفرد اسلوب اور طرز فکر سے روشناس کرانے میں اکبر الہ آبادی کا نام سرفہرست ہے۔ اکبر

الہ آبادی نے اپنے شعری سفر کا آغاز غزل گوئی سے کیا۔ان کے کلام میں غزلوں کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے اوران کے کئی اشعار آج بھی مختلف موقعوں پر استعمال کیے جاتے ہیں۔

مثلاً:

ہم آہ بھی بھرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

لیکن واقعہ یہ ہے کہ اکبرالہ آبادی کو شہرت ومقبولیت نظم گوئی میں طنزیہ اور مزاحیہ اسلوب بیان کی وجہ سے حاصل ہوئی ۔اکبر کے عہد میں ہندوستان سماجی ،سیاسی ،معاشی اور تہذیبی تبدیلیوں کے دور سے گزر رہا تھا۔ ہندوستان پر انگریزی حکومت قائم کی تھی اور حاکم قوم محکوم قوم کو ہر طریقے سے زیر کرنا چاہتی تھی۔لہذا زندگی کے ہر شعبے پر انگریزوں کے طور طریقے دھیرے دھیرے اپنا اثر چھوڑ رہے تھے۔ ہندوستانی عوام بالخصوص مسلمان سماجی اور سیاسی اعتبار سے بکھر چکے تھے۔ان کی معاشی اور تعلیمی صورت حال ناگفتہ بہ تھی۔ایسے کٹھن دور میں سر سید اور ان کے ساتھی مسلم قوم کی اصلاح کو کوششوں میں مصروف تھے۔اپنے عہد کے ان حالات ومسائل کا اکبر نے بغور مطالعہ ومشاہدہ اور تجربہ کیا تھا۔اکبر کے کلام کی خصوصیات کو اس عہد کے ہندوستان کی سماجی وسیاسی صورت حال، مسلم تہذیب وثقافت اور ہندوستانی معاشرے میں مشرقی اور مغربی تہذیب کی کشمکش اور تصادم کی روشنی میں ہی سمجھا جاسکتا ہے۔

اکبر کی پرورش و پرداخت مشرقی ماحول ومعاشرے میں ہوئی تھی اور مشرقی اقدار وروایات اور اسلامی تہذیب و ثقافت سے انھیں بے حد لگاؤ تھا۔ وہ مذہب کے پابند تھے لہذا جدید تعلیم یعنی مغربی تعلیم اور مغربی تہذیب وتمدن کو ہندوستانی سماج اور معاشرے کے لیے مضر سمجھتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ اپنی شاعری میں ہندوستانی سماج پر مغربی تعلیم اور اس کے اثرات کو ہدف تنقید بناتے ہیں۔سماجی اصلاح اور ترقی کے نام پر مذہب اور اپنے تہذیب وثقافت سے بے گانگی انھیں منظور نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی شاعری میں انگریزی تعلیم اور مغرب پرستی کا مزاق اڑاتے ہیں۔ان کی طنزیہ اور مزاحیہ شاعری محض ہنسی مزاق نہیں ہے بلکہ اس میں سنجیدگی اور دردمندی ہے۔اکبر نے شاعرانہ طنز ومزاح کے ذریعے سماجی اور معاشرتی اصلاح کی کوشش کی ہے۔بقول پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی:

''اکبر اپنے دور کی زندگی اور اس کے مسائل کو ایک کارٹونسٹ کی نظر سے دیکھتے ہیں ،ان کی نگاہ ہمیشہ مغربی اثرات کے تحت پلنے والی جدید اقدار کے مضحک پہلوؤں پر پڑتی ہے۔اپنے تخیل کی بدولت اور زبان کی مدد سے وہ ان پہلوؤں کو

اور زیادہ مضحک بنا دیتے ہیں ۔جس طرح ایک کارٹونسٹ اپنے اسکیچ میں بعض خطوط کو گھٹا بڑھا کر ان پہلوؤں کو نمایاں کر دیتا ہے جن پر طنز کرنا مقصود ہو، اسی طرح اکبر بھی نئی تہذیب کی خامیوں کو بڑی خوبی کے ساتھ اجاگر کرتے ہیں‘‘۔

اکبرالہ آبادی نے اپنے مخصوص نقطۂ نظر سے اپنے عہد کی تہذیبی کشمکش اور حالات ومسائل کو طنز ومزاح کے پیرائے میں پیش کیا ہے۔اس ضمن میں چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ہم کیا کہیں احباب کیا کار نمایاں کر گئے
بی اے ہوئے نوکر ہوئے پنشن ملی اور مر گئے

کیا کہوں اس کو میں بدبختیٔ نیشن کے سوا
اس کو آتا نہیں اب کچھ امیٹیشن کے سوا

کر دیا کرزن نے زن مردوں کی صورت دیکھئے
آبرو چہرے کی سب فیشن بنا کرچھین لی

رنگ چہرے کا تو کالج نے بھی رکھا قائم
رنگ باطن میں مگر باپ سے بیٹا نہ ملا

اکبر سرسید کے افکاروخیالات، اصلاحی کوششوں وسرگرمیوں اور جدید طرز تعلیم کے خلاف تھے۔سرسید چاہتے تھے کہ مسلم قوم جدید تعلیم سے آراستہ ہوکر زندگی کی دوڑ میں آگے بڑھے۔مغربی تہذیب وتمدن کے مثبت پہلوؤں سے استفادہ کرے اور تعلیمی ومعاشی اعتبار سے مستحکم ہو۔اکبر اسے سرسید کی اندھی تقلید تصور کرتے تھے۔ان کا خیال تھا کہ مسلمان جدید تعلیم حاصل کر کے مذہب اور اپنی روایتوں اور قدروں سے بیگانہ اور بے حس ہوجائیں گے اوران کا مذہبی اور تہذیبی سرمایہ ختم ہوجائے گا۔چند اشعار دیکھئے:

نہ کتابوں سے نہ کالج کے ہے در سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

حامدہ چمکی نہ تھی انگلش سے جب تلک بیگانہ تھی
اب ہے شمع محفل ، پہلے چراغ خانہ تھی

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

قوم کے غم میں ڈنر کھاتے ہیں حکام کے ساتھ
رنج لیڈر کو بہت ہے مگر آرام کے ساتھ

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

ہو کے اس قدر مہذب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے اسپتال جا کر

واہ کیا راہ دکھائی ہے ہمیں مرشد نے
کر دیا کعبے کو گم اور کلیسا نہ ملا

ایسے متعدد اشعار اکبر کے کلام میں موجود ہیں جو جدید طرز تعلیم، مغربی تہذیب وتمدن اور سرسید کے افکار وخیالات کا مضحکہ اڑاتے ہیں۔ان اشعار سے اکبر کے نقطۂ نظر کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔تاہم اکبر اپنے عہد کی تہذیبی کشمکش اور مشرقی اقدار وروایات پر مغرب کے منفی اثرات کو اپنی طنزیہ اور مزاحیہ شاعری میں جرأت مندی، بے باکی اور درد مندی وخلوص کے ساتھ موضوع بحث بناتے ہیں۔

اکبر کی زبان سادہ اور سلیس ہے اور انھوں نے اپنے کمال فن سے انگریزی الفاظ کا برجستہ استعمال اپنے اشعار میں کیا ہے جو ان کے طنزیہ اور مزاحیہ کلام کی شدت اور حسن کو دوبالا کرتا ہے۔اکبر الٰہ آبادی یقیناً طنزیہ ومزاحیہ شاعری کی

حیثیت سے اردو شاعری میں اہم مقام رکھتے ہیں۔

3.4۔اکبرالہ آبادی کی نظم 'مستقبل'

3.4.1 متن

مستقبل

یہ موجودہ طریقے راہی ملک عدم ہوں گے
نئی تہذیب ہوگی اور نئے ساماں بہم ہوں گے

نئے عنوان سے زینت دکھائیں گے حسیں اپنی
نہ ایسا پیچ زلفوں میں، نہ گیسو میں یہ خم ہوگے

نہ خاتونوں میں رہ جائے گی یہ پردے کی پابندی
نہ گھونگھٹ اس طرح سے حاجب روئے صنم ہوں گے

بدل جائے گا انداز طباع دور گردوں سے
نئی صورت کی خوشیاں اور نئے اسباب غم ہوں گے

خبر دیتی ہے تحریک ہوا، تبدیل موسم کی
کھلیں گے اور ہی گل زمزمے بلبل کے کم ہوں گے

عقائد پر قیامت آئے گی ترمیم ملّت سے
نیا کعبہ بنے گا، مغربی پتلے صنم ہوں گے

بہت ہوں گے مغنی نغمۂ تقلید یورپ کے
مگر بے جوڑ ہوں گے،اس لیے بے تال وسم ہوں گے

ہمارے اصطلاحوں سے زباں نا آشنا ہوگی
لغات مغربی بازار کی بھاشا سے ضم ہوں گے

بدل جائے گا معیار شرافت چشم دنیا میں
زیادہ تھے جو اپنے زعم میں،وہ سب سے کم ہوں گے

گزشتہ عظمتوں کے تذکرے بھی رہ نہ جائیں گے
کتابوں ہی میں دفن افسانۂ جاہ و حشم ہوں گے

کسی کو اس تغیر کا نہ حس ہوگا ، نہ غم ہوگا
ہوے جس ساز سے پیدا، اسی کے زیر و بم ہوں گے

تمھیں اس انقلاب دہر کا کیا غم ہے، اکبر؟
بہت نزدیک ہے وہ دن، نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

3.4.2 تشریح

اکبرالہ آبادی نے اس نظم میں مشرقی اقدار وروایات سے نئی نسل کی بے حسی اور مستقبل میں سماج اور معاشرے میں اس کے اثرات کو موضوع بحث بنایا ہے اور نئے دور میں مشرقی تہذیب وتمدن کے خاتمے پر اظہار افسوس کیا ہے ۔ ۲۴ مصرعوں (۱۲اشعار) کی یہ نظم غزل مسلسل کی ہیئت میں لکھی گئی ہے۔

پہلے شعر میں اکبر کہتے ہیں کہ موجودہ طریقے یعنی مشرقی (اسلامی) تہذیب وثقافت، جدید طرز تعلیم کی وجہ سے ختم ہو جائے گی اور اس کی جگہ نئی تہذیب یعنی مغربی اقداراور روایات لے لیں گی۔

دوسرے شعر میں شاعر نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ نئی تہذیب اب اپنے جلوے اور کرشمے دکھائے گی۔مشرقی روایتیں اور قدریں دھیرے دھیرے عوام کے ذہن سے محو ہو جائیں گی۔تیسرے شعر میں شاعر کہتا ہے کہ نئی تہذیب کے آمد سے عورتیں پردہ اور حجاب بھول کر پوری طرح مغربی انداز میں نظر آئیں گی۔ چوتھے شعر میں اکبر کہتے ہیں کہ نئے زمانے کی روش سے سماج اور معاشرے میں
تبدیلیاں پیدا ہوں گی اور اب خوشیاں اور غم منانے کے بھی نئے طریقے ایجاد کیے جائیں گے۔

اکبر پانچویں شعر میں سماجی اور تہذیبی تغیرات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اب نیا دور آنے والا ہے جس میں نئی قدریں اور نئے ساز وسامان ہونگے۔مشرقی روایتوں اور قدروں کی اہمیت باقی نہیں بچے گی۔

چھٹے شعر میں اکبر فرماتے ہیں کہ جدید طرز تعلیم سے مذہبی عقیدے کو چوٹ پہنچے گی اور اب عبادت کے طور طریقے بھی بدل جائیں گے۔ساتویں شعر میں شاعر کہتا ہے کہ عصر نو میں یوروپی تہذیب کی تقلید کی پیروی اور اس کی خوبیاں بیان کرنے والے بہت لوگ ہونگے لیکن اپنی قدروں اور روایتوں سے سروکار نہیں رکھنے کی وجہ سے ان میں کوئی تال میل نہیں ہوگا۔

آٹھویں شعر میں اکبر فرماتے ہیں کہ آنے والے دور میں نئی نسل ہماری اصطلاحوں کو بھی بھول جائے گی اور ہمارے لغات میں مغربی زبان کے الفاظ کی بھرمار ہوگی۔

نویں شعر میں شاعر نے اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ مغربی تہذیب کے اثرات سے دنیا میں عزت و شرافت کا معیار بدل جائے گا۔جو لوگ مشرقی اقدار وردیات کی پیروی کریں گے انھیں غیر مہذب سمجھا جائے گا۔

دسویں شعر میں شاعر کہتا ہے کہ اب اسلامی تہذیب وتمدن کے شاندار کارناموں کا بھی کوئی نام لینے والا نہ ہوگا اور ہماری شان وشوکت کی داستانیں کتابوں تک محدود ہو کر رہ جائیں گی۔

گیارہویں شعر میں اکبر کہتے ہیں کہ مغربی تہذیب کی تقلید کی دھُن میں نئی نسل کو مشرقی اقدار وروایات کے

خاتمے کا نہ کوئی حس ہوگا نہ غم۔ نئی نسل پوری طرح سے مغربی آداب واطوار کے زیر اثر ہوگی۔

بارہویں شعر میں اکبر نے اپنے تخلص کا استعمال کیا ہے، کہتے ہیں کہ اس تغیر اور انقلاب کا تمہیں کیوں غم ہے کیوں کہ وہ دن بہت جلد آنے والا ہے جب اس دنیا میں نہ ہم ہونگے نہ تم ہوگے۔ یہ نظم مغربی تہذیب وتمدن کے متعلق اکبرالہ آبادی کے افکار وخیالات کی ترجمان ہے۔

3.4.3 تجزیہ

'مستقبل' اکبرالہ آبادی کی ایک اہم نظم ہے جس میں مشرقی اور مغربی تہذیب ومعاشرت کی کشمکش، تصادم اور مشرقی اقدار وروایات پر مغربی تہذیب ومعاشرت اور طرز تعلیم کو اثر انداز ہوتے دکھایا گیا ہے۔

1857ء کے بعد ہندوستان کی سماجی اور معاشرتی زندگی میں ہونے والی تبدیلیاں نئی نسل کو عصری علوم وفنون کی جانب مائل کر رہی تھی۔ اس عہد میں ہندوستانی نوجوان انگریزی اور سائنس وٹیکنالوجی کی تعلیم کے ساتھ ساتھ مغربی تہذیب ومعاشرت سے متاثر ہونے لگے تھے۔

سرسید احمد خاں کی اصلاحی تحریک کے زیر اثر مسلم نوجوان بھی جدید طرز تعلیم کی طرف راغب ہو رہے تھے اور عصری تقاضوں کے مطابق خود کو ڈھالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن اکبرالہ آبادی جدید طرز تعلیم اور مغربی تہذیب و معاشرت کے سخت مخالف تھے اور اپنی طنزیہ ومزاحیہ شاعری کے ذریعے جدید تعلیم اور تہذیب کی خامیوں کو اجاگر کرتے تھے۔

نظم 'مستقبل' میں اکبرالہ آبادی نے مشرقی تہذیب وتمدن سے نئی نسل کی بے گانگی، بے حسی اور ہندوستانی معاشرے میں مغربی تہذیب کے پیر جمانے اور آنے والے دور میں اس کے بُرے اثرات کو اپنے مخصوص نقطۂ نظر سے پیش کیا ہے۔ وہ اس نظم میں بتانا چاہتے ہیں کہ مغربی تہذیب ومعاشرت اور جدید طرز تعلیم کی وجہ سے بہت جلد مشرقی روایتیں اور قدریں دم توڑ دیں گی اور ایک نامانوس اور نئی تہذیب اس کی جگہ لے لے گی اور ہماری مذہبی اور تہذیبی شناخت ختم ہو جائے گی۔ بقول اکبر:

قابلیت تو بہت بڑھ گئی ماشا اللہ

مگر افسوس یہی ہے کہ مسلماں نہ رہے

اکبرنے اس نظم میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ عصری حالات و مسائل زمانے میں تبدیلیوں کے باعث ہونگے۔ عورتیں پردے کی پابندی سے آزاد ہوں گی۔ نئے طور طریقے معاشرے میں راہ پائیں گے۔ مغربی طرز فکر مذہبی عقائد کے لیے بھی نقصان دہ ثابت ہوگی۔ آنے والے دور میں یوروپ کی تقلید کی حمایت کرنے والے بھی بہت ہونگے اور نئی نسل مشرق کی اصطلاحات اور اپنے آباواجداد کے شاندار کارناموں سے بھی ناواقف ہوگی اور یہ سب کچھ کتابوں میں محدود ہوکر رہ جائے گا۔ نئی نسل کو نہ ان تبدیلیوں کا احساس ہوگا اور نہ غم بلکہ وہ نئی تہذیب کی پروردہ ہوگی اور اسی کے زیراثر رہے گی۔

اکبرنے اس نظم میں اپنے عہد کی تہذیبی کشمکش اور آنے والے دور میں مشرقی اقدار و روایات اور مذہبی و تہذیبی انفرادیت کے گم ہوجانے کا خدشہ ظاہر کیا ہے۔ اکبر الہ آبادی کو مشرقی اقدار و روایات سے بے حد لگاؤ ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس نظم میں ان کی سنجیدگی، شائستگی، خلوص اور دردمندی پوری طرح موجود ہے۔ انھوں نے اپنے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں مغربی تہذیب کے زیراثر مستقبل کے ہندوستانی سماج اور معاشرت کی تصویرکشی کی ہے۔ اکبر اپنے طنز و مزاح کے ذریعے زندگی کی تنقید اور اصلاح کی کوشش کرتے ہیں۔

3.5 خلاصہ

اکبر الہ آبادی کا پورا نام سید اکبر حسین رضوی اور اکبر تخلص تھا۔ وہ 16 نومبر 1846ء کو بارہ، ضلع الہ آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام سید تفضّل حسین تھا۔

بچپن میں گھر پر تعلیم حاصل کرنے کے بعد اکبر اسکول میں داخل ہوئے۔ مطالعے کا شوق تھا اور ذہین بھی تھے۔ انگریزی حکومت میں نوکری بھی کی اور سیشن جج کے عہدے تک پہنچے۔ 9 ستمبر 1921ء کو الہ آباد میں اکبر کا انتقال ہوا اور یہیں دفن کیے گئے۔

اکبرنے شاعری کا آغاز غزل گوئی سے کیا لیکن انھیں شہرت طنزیہ و مزاحیہ نظم نگاری کی بدولت ملی۔ انھوں نے اردو نظم کو ایک نئے اسلوب سے روشناس کرایا۔

اکبر کا عہد سماجی اور سیاسی تبدیلیوں سے عبارت تھا۔ ہندوستان میں انگریزی حکومت کا راج تھا اس زمانے میں اصلاحی تحریکیں زوروں پر تھیں، ہر طرف جدید طرز تعلیم اور عصر نو میں اس کی اہمیت اور افادیت کی گونج سنائی دیتی تھی۔ لیکن اکبر جدید طرز تعلیم اور مغربی تہذیب وتمدن کو ہندوستانی سماج بالخصوص مسلمانوں کے لیے سود مند نہیں سمجھتے تھے۔ سماجی اور معاشرتی اصلاح اور ترقی کے نام پر مذہب اور تہذیب وثقافت سے بے حسی اور بے گانگی انھیں گوارہ نہیں تھی۔ وہ اپنی شاعری میں انگریزی تعلیم اور مغربی تہذیب کی خامیوں کا مضحکہ اڑاتے ہیں۔ انکی شاعری کا مقصد محض ہنسی مزاق نہیں بلکہ اس میں سنجیدگی، خلوص اور دردمندی کے ساتھ زندگی کی تنقید اور اصلاح کی کوشش ہے۔ اکبر اپنے مخصوص نقطۂ نظر سے اپنے عہد کی تہذیبی کشمکش اور حالات ومسائل کو طنزیہ اور مزاحیہ لہجے میں فن کارانہ ہنرمندی سے پیش کرتے ہیں۔

اکبر الہ آبادی کی زبان رواں دواں، سادہ اور سلیس ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری میں عام بول چال کی زبان اور انگریزی الفاظ کا استعمال فنکارانہ چابک دستی سے کیا ہے اور وہ اپنے مخصوص افکار وخیالات اور اسلوب کی بنا پر اردو نظم گوئی میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔

3.6 نمونۂ امتحانی سوالات

۱- اکبر الہ آبادی کی حیات پر روشنی ڈالیے؟

۲- اکبر الہ آبادی کی نظم گوئی پر اظہار خیال کیجیے؟

۳- اکبر الہ آبادی کی نظم 'مستقبل' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے؟

3.7 فرہنگ

الفاظ	معنی

بربریت	وحشی پن،خونخواری
اقدار	قدر کی جمع،قدریں
کوشاں	کوشش کرنے والا
بانی	بنیادرکھنے والا،موجد
منصف	انصاف کرنے والا،عدالت کا عہدے دار
بنیادگزار	بنیادرکھنے والا

دوام	ہمیشگی،ہمیشہ رہنے والا
تقلید	پیروی،نقل
سودمند	فائدہ مند،مفید
طرزفکر	سوچنے کا طریقہ
روشناس	جان پہچان والا،واقف کار
زیرکرنا	فتح کرنا،پچھاڑنا
تصادم	باہم ٹکرانا
کشمکش	کھینچا تانی،لڑائی جھگڑا
مضر	نقصان پہنچانے والا،ضرر پہنچانے والا
ہدف	نشانہ
مستحکم	پکا،مضبوط
متعدد	بہت،کئی
مضحکہ	ہنسی،مذاق
خدشہ	ڈر
راہی ملک عدم	عدم کی راہ پر چلنے والا،ختم ہو جانے والا،دنیا سے دور جانے والا

طبائع	طبیعت کی جمع
دور گردوں	زمانے کی تبدیلی، زمانے کا تغیر
عقائد	عقیدہ کی جمع
اسباب	سبب کی جمع، وجہ
ترمیم	بدلنا، کم یا زیادہ کرنا
مغنی	گانے والا
تقلید	پیروی
نا آشنا	ناواقف
ضم	مل جانا، گھل جانا
زعم	غرور، گھمنڈ
جاہ و حشم	شان و شوکت
تغیر	تبدیلی
دہر	دنیا، وقت، زمانہ
زیر و بم	موسیقی کی اصطلاح، نیچے اوپر
لغات	لغت کی جمع، الفاظ

3.8 سفارش کردہ کتابیں

اکبر نامہ - عبدالماجد دریابادی
انتخاب اکبر الہ آبادی - صدیق الرحمٰن قدوائی
اکبر الہ آبادی: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ - خواجہ محمد زکریا